ABC سے تصدیق شدہ اشاعت

ماہنامہ

# نور الحبیب

بصیر پور

| جلد نمبر | ذوالحجہ | جون | شمارہ نمبر |
|---|---|---|---|
| 36 | ۱۴۴۵ھ | 2024ء | 6 |




مدیرِ اعلیٰ: صاحبزادہ محمد مُحبُّ اللہ نوری

402 اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا وَ مَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ کَمَا تُحِبُّ وَ تَرْضٰی لَہٗ

بخدمت جمیع برادرانِ اسلام---السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا اپنا ادارہ، دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف، اللہ تعالیٰ ﷻ کے فضل وکرم، رسول اللہ ﷺ کے لطف وعنایت اور حضرت سیدی فقیہ اعظم مولانا ابوالخیر محمد نور اللہ نعیمی قدس سرہ العزیز کی باطنی توجہات سے علوم دینیہ کے فروغ کے لیے مصروف عمل ہے---اس وقت بحمد اللہ تعالیٰ یہاں سیکڑوں زیر تعلیم طلبہ وطالبات، قدیم وجدید علوم سے مستفیض ہو رہے ہیں، جن کی خوراک، رہائش، علاج، تعلیم، اساتذہ وعملہ کے مشاہرات اور دیگر ضروری لوازمات پر نہایت کفایت شعاری کے باوجود (تعمیراتی اخراجات کے علاوہ) لاکھوں روپے ماہانہ خرچ ہو رہے ہیں---

صرف سٹاف کی تنخواہوں کے لیے چار لاکھ پچھتر ہزار روپے ماہانہ درکار ہوتے ہیں، جب کہ بجلی، گیس اور ایندھن پر تقریباً آٹھ لاکھ روپے ماہانہ صرف ہوتے ہیں---ادارہ کے بجٹ کا بڑا حصہ طلبہ کی خوراک پر صرف ہوتا ہے، چناں چہ سبزی، گوشت، دال، گھی اور مصالحہ جات پر چھ لاکھ ساٹھ ہزار (660,000) روپے ماہانہ خرچ ہو رہے ہیں--- ناشتہ کے لیے دو سو پچاس من چاول (مالیتی پچیس لاکھ روپے) درکار ہوتے ہیں---متفرق اخراجات سمیت اکتیس لاکھ پچیس ہزار (3,12,5000) روپے ماہانہ اور تین کروڑ پچھتر لاکھ (37,500,000) روپے سالانہ مصارف ہیں---خصوصاً اس وقت طلبہ کی خوراک کے لیے تیرہ سو من گندم کی خریداری کا مرحلہ درپیش ہے، جس کے لیے فوری طور پر کم از کم اکیاون لاکھ (51,00,000) روپے درکار ہیں---

یہ بات بھی آپ کے علم میں ہوگی کہ طلبہ کی تعلیمی اور رہائشی ضروریات کے لیے تین منزلہ جدید عمارت کا سٹرکچر تیار ہو گیا ہے---مشرقی جانب کی مکمل عمارت، ضروری تیاری اور فنشنگ کے لیے تقریباً دو کروڑ (20,000,000) روپے مزید درکار ہیں---

اندریں حالات اخراجات میں دارالعلوم کو آپ ایسے مخلص، جاں نثار اور اہلِ درد کی توجہ اور دینی جذبہ رکھنے والے "مخیر" حضرات کے مالی تعاون کی بے حد ضرورت ہے---

حضرت سیدی فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز سے قدیمی تعلق وعقیدت اور علوم اسلامیہ سے محبت کے پیشِ نظر آپ کی اخلاقی و دینی ذمہ داری ہے کہ خصوصی دل چسپی سے اپنے مدرسہ کی بھرپور معاونت فرما کر رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مہمانانِ گرامی طلبائے کرام کی کفالت میں حصہ لینے کی سعادت حاصل کریں---آپ کے عطیات (عشر، زکوٰۃ، نقدی، چاول، گندم، مکئی و دیگر غلہ جات اور صدقہ وخیرات) یقیناً آپ کے لیے ذخیرۂ آخرت اور صدقۂ جاریہ ثابت ہوں گے، ان شاء المولیٰ تعالیٰ

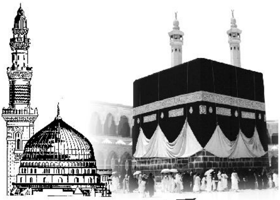
والسلام

(صاحب زادہ) محمد محب اللہ نوری
مہتمم دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف (اوکاڑا)
موبائل نمبر: 0300-4321088
صاحب زادہ مفتی محمد نعیم اللہ نوری 0345-7526622

ماہ نامہ "نور الحبیب" بصیر پور شریف ﴿ ۲ ﴾ ذوالحجۃ ۱۴۴۵ھ

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ (القرآن)

هُوَ الْحَبِيْبُ الَّذِيْ تُرْجٰى شَفَاعَتُهٗ لِكُلِّ هَوْلٍ مِّنَ الْاَهْوَالِ مُقْتَحِمِ



# ماہنامہ نور الحبیب بصیر پور

Regd No. PS | CPL - 25 ISSN 1993-4238

زیر ظل عاطفت

فقیہ اعظم حضرت مولانا ابوالخیر محمد نور اللہ نعیمی قدس سرہ

بانی دارالعلوم حنفیہ فریدیہ و ماہنامہ نور الحبیب

ذوالحجۃ ۱۴۴۵ھ جلد نمبر 36

جون 2024ء شمارہ نمبر 6



خصوصی چندہ سالانہ: 4000/= روپے

عمومی چندہ سالانہ: 800/= روپے

فی کاپی: 70/= روپے

نوٹ: جو مستقل قارئین ماہ نامہ "نور الحبیب" بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک حاصل کرنا چاہتے ہیں، وہ سالانہ چندہ کے ساتھ مبلغ/=120 روپے مزید بھیجیں، انہیں ہر ماہ رسالہ بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک پوسٹ کر دیا جائے گا---ان شاء المولیٰ تعالیٰ

ترسیل زر کا پتہ: انجمن حزب الرحمٰن (شعبۂ تبلیغ) دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور ضلع اوکاڑا پوسٹ کوڈ 56011

E-Mail: noorulhabibmonthly@gmail.com

www.facebook.com/mohibnoori
www.facebook.com/hanfiafaridiah

ناشر محمد محب اللہ نوری نے گنج شکر پرنٹرز لاہور سے چھپوا کر دفتر نور الحبیب بصیر پور سے شائع کیا

# اس شمارے میں


| | | |
|---|---|---|
| احکام عید الاضحیٰ وقربانی | علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ | ۶ |
| قربانی کے قدیم وجدید مسائل | مولانا مفتی محمد شہزاد نوری | ۱۰ |
| سیدنا فاروق اعظم اور سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہما کا باہمی ادب واحترام | (صاحبزادہ) محمد محبّ اللہ نوری | ۲۳ |
| حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ | ڈاکٹر فیض احمد چشتی | ۲۶ |
| حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ | علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ | ۳۰ |
| پیرؤوں کے ساتھ حسنِ سلوک (قائدانہ اوصاف 5) | پروفیسر خلیل احمد نوری | ۳۲ |
| حضرت خواجہ نور محمد مہاروی رحمۃ اللہ علیہ | ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی | ۴۲ |
| علامۃ الدھر مولانا عبد العزیز پرہاروی رحمۃ اللہ علیہ | علامہ عبد الحکیم شرف قادری رحمۃ اللہ علیہ | ۵۱ |
| نکبہ فلسطین | عابد حسین شاہ پیرزادہ | ۵۴ |
| وفیات | ادارہ | ۳۱ |
| اوقاتِ نماز بصیر پور ماہِ جون | ادارہ | ۸۳ |


## منظومات


| | | |
|---|---|---|
| رازق، داتا، پالن ہارا میرا مولیٰ میرا مولیٰ (حمدِ رب العالمین) | حضرت صدر الافاضل | 5 |
| جہاں زیرِ نگینِ شاہِ عالم (نعت رحمۃ للعالمین) | حضرت صدر الافاضل | 5 |


ادارہ کا مضمون نگار کی آراء سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

**مسائلِ حج کے لیے مئی 2024ء کا پرچہ ملاحظہ کریں---[ادارہ]**

# حمد رب العالمین جل جلالہ

سب کا پیدا کرنے والا میرا مولیٰ میرا مولیٰ
سب سے افضل، سب سے اعلیٰ میرا مولیٰ میرا مولیٰ

جگ کا خالق، سب کا مالک، وہ ہی باقی، باقی ہالک
سچا مالک، سچا آقا میرا مولیٰ میرا مولیٰ

سب کو وہ ہی دے ہے روزی، نعمت اس کی، دولت اس کی
رازق، داتا، پالن ہارا میرا مولیٰ میرا مولیٰ

ہم سب اس کے عاجز بندے، وہ ہی پالے، وہ ہی مارے
خوبی والا سب سے نیارا میرا مولیٰ میرا مولیٰ

اوّل، آخر، غائب، حاضر، اس کو روشن، اس پہ ظاہر
عالم، دانا، واقف کل کا میرا مولیٰ میرا مولیٰ

عزت والا، حکمت والا، نعمت والا، رحمت والا
میرا پیارا، میرا آقا میرا مولیٰ میرا مولیٰ

طاعتِ سجدہ اس کا حق ہے اس کو پوجو وہ ہی رب ہے
اللہ اللہ اللہ میرا مولیٰ میرا مولیٰ

# نعت رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

جہاں زیرِ نگینِ شاہِ عالم
درخشاں مہرِ دینِ شاہِ عالم

فزوں در مرتبہ از عرشِ اعلیٰ
زہے قدرِ زمینِ شاہِ عالم

امامِ قدسیانِ سدرہ منزل
یکے از خادمینِ شاہِ عالم

جمیلِ آسمانی خانہ زادے
زِ انوارِ جبینِ شاہِ عالم

نعیم الدین عاصی ہیچ کارہ
غلامِ کم ترینِ شاہِ عالم

صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ
(یوم وصال: ۱۸/ذوالحجہ ۱۳۶۷ھ)

❁❁❁❁❁

# احکام عیدالاضحیٰ وقربانی

غزالیٔ زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ

❶ نویں ذی الحجہ کی فجر سے تیرہویں کی عصر تک ہر فرض نماز کی جماعت کے بعد (ایک مرتبہ) تکبیرِ تشریق با آواز کہنا واجب ہے۔ (جب کہ تین مرتبہ مستحب ہے [نوری])

❷ جس شخص پر قربانی واجب ہو اس کو چاہیے کہ نمازِ عید تک نہ سر منڈوائے، نہ خط بنوائے، نہ ناخن ترشوائے اور عیدالاضحیٰ کے دن نمازِ عید سے پہلے کچھ نہ کھائے۔ غسل کر کے اچھے ستھرے، نئے یا دھلے ہوئے کپڑے پہنے، خوشبو لگائے اور ایک راہ سے با آواز بلند تکبیر تشریق پڑھتا ہوا عیدگاہ جائے۔ تکبیر (اَللّٰہُ اَکْبَرُ ط اَللّٰہُ اَکْبَرُ ط لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اللّٰہُ اَکْبَرُ ط اَللّٰہُ اَکْبَرُ ط وَ لِلّٰہِ الْحَمْدُ) بعد نماز دوسری راہ سے واپس آئے۔

## ترکیب نماز

**نیـــت** : نیت کرتا ہوں میں دو رکعت نماز واجب عیدالاضحیٰ مع چھ تکبیروں کے۔ واسطے اللہ تعالیٰ کے، منہ میرا طرف کعبہ شریف کے، پیچھے اس امام کے، پھر امام کے ساتھ تکبیر تحریمہ (اللہ اکبر) کہہ کر ہاتھ باندھ لے اور سُبْحٰنَكَ اللّٰھُمَّ پڑھ کر امام کی تکبیر کے ساتھ کانوں تک ہاتھ اٹھا کر تکبیر کہے اور ہاتھ چھوڑ دے، اسی طرح دوسری اور تیسری تکبیر کہے اور ہر دو تکبیروں کے درمیان ہاتھ چھوڑ دے۔ پھر امام صرف اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ،

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ آہستہ اور الحمد و سورۃ بالجہر پڑھے۔ پھر رکوع اور سجود کرے پھر دوسری رکعت کے لیے کھڑا ہو کر پہلے الحمد و سورۃ پڑھے، پھر رکوع سے پہلے رکعتِ اولیٰ کی طرح تین بار کانوں تک ہاتھ اٹھا کر تکبیر کہے اور ہاتھ نہ باندھے۔ چوتھی بار بغیر ہاتھ اٹھائے اللہ اکبر کہتا ہوا رکوع میں جائے۔ دونوں رکعتوں میں تین تین تکبیریں کہنا واجب ہے۔ جو شخص امام کے تکبیر کہہ لینے کے بعد شامل ہو تو وہ تکبیر تحریمہ کہہ کر تکبیر رکوع کہتا ہوا رکوع میں جائے اور بحالت رکوع تین تکبیراتِ واجبہ کہہ لے (تسبیحاتِ رکوع چھوڑ دے) رفعِ یدین کی ضرورت نہیں۔ اگر اس نے رکوع میں ایک یا دو تکبیریں کہی تھیں کہ امام نے رکوع سے سر اٹھالیا تو باقی تکبیریں ساقط ہو جائیں گی۔ اور اگر کوئی شخص دوسری رکعت میں ایسے وقت شامل ہوا کہ امام بعض تکبیریں کہہ چکا ہے، تو یہ شخص صرف بقیہ تکبیریں امام کے ساتھ کہے۔ فوت شدہ رکعت پڑھنے کھڑا ہو تو پہلے قراءت کرے اور بعد میں تکبیریں کہے۔ سلام کے بعد مذکورہ بالا تکبیر تشریق سب نمازی بلند آواز سے کہیں۔ بعد نماز امام خطبہ پڑھے اور سب لوگ اپنی جگہ پر خاموش بیٹھے خطبہ سنیں۔ بعد خطبہ و دعا باہمی معانقہ جائز ہے، مگر بدمذہب اور امر و محلِ فتنہ سے بچیں۔

## احکام قربانی

ہر مسلم و بالغ مرد و عورت پر جو مقیم و مالکِ نصاب یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولے سونے کا مالک ہو، قربانی واجب ہے۔ اگر کسی شخص کے پاس سونا، چاندی دونوں ہیں مگر ہر ایک مقدارِ نصاب سے کم ہے، لیکن دونوں کی قیمت کا حساب لگایا جائے تو ایک نصاب سونے یا چاندی کا پورا ہو جائے، تو وہ شخص مالکِ نصاب ہوگا اور اس پر قربانی واجب ہوگی۔ قربانی کے لیے مال پر سال گزرنا ضروری نہیں۔ قربانی کا وقت شہری کے لیے بعد نمازِ عید ہے اور دیہات والوں کے لیے دسویں ذی الحجہ کی صبح صادق سے اور آخری وقت سب کے لیے بارہویں کے غروبِ آفتاب تک ہے۔ بارہویں کے غروب آفتاب کے بعد قربانی فوت ہو جائے گی۔ اس صورت میں مالکِ نصاب پر قربانی کے جانور کی قیمت صدقہ کرنا واجب ہے۔ اور اگر غیر مالک نصاب نے بہ نیت قربانی جانور خریدا تھا اور وہ آخر وقت تک قربانی نہ کر سکا تو اس پر اس خریدے ہوئے جانور کا بعینہٖ صدقہ کرنا واجب ہوگا۔

قربانی کے تین دنوں میں سے سب سے افضل پہلا دن ہے، پھر دوسرا، پھر تیسرا اور

درمیانی دوراتوں میں بھی قربانی ہوسکتی ہے،مگر بکراہت۔قربانی کے جانوراونٹ،گائے، بھینس،بھیڑ،بکری،دنبہ ہیں۔(سب کے سب نر ہوں یامادہ)ان کےسواکسی دوسرے جانور کی قربانی درست نہیں۔خصی کی قربانی افضل ہے۔قربانی کا جانور تندرست،سالم الاعضاء ہونا ضروری ہے۔بیمار،لاغر،جومذبح تک نہ جاسکتا ہو۔لنگڑا،اندھا،کاناہو یااس کا کان، ناک،دم،سینگ،تھن وغیرہ کوئی عضوتہائی سے زیادہ کٹاہواہو،یااس کے دانت سرے سے پیداہی نہ ہوئے ہوں یا بھیڑ بکری کا ایک تھن اور گائے بھینس وغیرہ کے دوتھن نہ ہوں یا علاج سے ایسے خشک کردیے گئے ہوں کہ دودھ نہ اتر سکے،تو ایسے جانور کی قربانی درست نہیں۔ اونٹ،گائے،بھینس کی قربانی میں سات آدمی شریک ہوسکتے ہیں،مگران کی خریداری کے وقت شرکت کی نیت ہونی چاہیے،بغیر نیت شرکت مکروہ ہے۔

## قربانی کے جانور کی عمر

اونٹ پورے پانچ سال کا،گائے بھینس پورے دوسال کی،بھیڑ بکری پورے ایک سال کی ہو۔دنبہ ایسافربہ جویک سالہ عمروالے دنبوں میں مل جانے پردور سے ایک سالہ معلوم ہو، چھ ماہ کی عمر تک کا جائز ہے،اس سے کم عمر کی قربانی جائز نہیں۔قربانی اپنے ہاتھ سے کرنا افضل ہے،خود بخوبی نہ کرسکےتو دوسرا کرسکتا ہے،مگراجازت ضروری ہے۔اورسنت یہ ہے کہ اپنے سامنے قربانی کرائے۔جانور کو بھوکا پیاسا نہ رکھا جائے،نہ ایسے کو ذبح کیا جائے۔ جانور کے سامنے چھری تیز نہ کریں،نہ ایک دوسرے کے سامنے ذبح کریں،جب تک سرد نہ ہوجائے،کھال نہ اتاریں۔ذبح کرتے وقت بہتر ہے کہ یہ دعاپڑھیں:

اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّ مَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ o قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o لَا شَرِیْکَ لَہٗ ط وَ بِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَo---

جانور کو قبلہ رو بائیں پہلو پرلٹائیں اوراپناداہناپاؤں اس کے شانہ پررکھ کر اَللّٰھُمَّ لَکَ وَ مِنْکَ بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہہ کر تیز چھری سے جلد ذبح کریں۔ایسا گہرا ذبح نہ کریں کہ چھری گردن کے مہرے تک اتر جائے۔اگر کوئی دوسراشخص جانور کو پکڑے رہے تو بہتر ہے وہ بھی تکبیر کہے۔اپنا جانور ذبح کرنے والا یہ دعاپڑھے:

اَللّٰھُمَّ تَقَبَّلْ مِنِّیْ کَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ خَلِیْلِكَ اِبْرَاھِیْمَ وَ حَبِیْبِكَ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ---

دوسرے کا جانور ہو تو مِنِّیْ بجائے مِنْ کے بعد اس کا نام لے۔ چرم قربانی یا اس کی قیمت کا کوئی جز واجرتِ قصاب میں دینا یا قربانی کے جانور کی قیمت میں مجرا کرنا حرام ہے۔ گوشت کے تین حصے برابر کرنا بہتر ہے، ایک اپنا، ایک اعزہ و احباب کا، ایک فقراء و مساکین کا، فقراء و مساکین کا حصہ پورا تہائی تول کر علیحدہ کر لیں تو بہتر ہے۔ قربانی کے لیے اگر دودھ والا جانور خریدا ہے تو اس کا دودھ خود استعمال کرنا جائز نہیں، اگر مالک نے خود پیا ہے تو اس کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے۔ اسی طرح مینڈھے و دنبہ کے اون کو قربانی کرنے سے پہلے اپنے کام میں لانا بھی ناجائز ہے۔ اون کٹوائی ہو تو اس کا یا اس کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے۔ جس بکری، بھیڑ اور دنبے کی پیدائشی دم نہیں ہوتی اس کی قربانی جائز ہے۔

[مجلہ جانِ رحمت، خانقاہ ڈوگراں، اپریل ۲۰۲۴ء]

❀❀❀

## عشرۂ ذوالحجہ

ذوالحجہ کے پہلے دس دن اور دس راتیں نہایت فضیلت والی ہیں۔ پہلے نو دنوں میں سے ہر دن کا روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر اور ہر رات کی عبادت شبِ قدر کی عبادت کے برابر ہے---[ترمذی شریف]

حضور ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

یوم عرفہ (نو ذی الحجہ) کا روزہ گزشتہ اور آئندہ سال کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے''---[صحیح مسلم]

حضور ﷺ نے فرمایا: جو شخص عیدین (عیدالفطر و عیدالاضحیٰ) کی راتوں میں اخلاص کے ساتھ قیام کرے (یعنی عبادت میں گزارے) اس کا دل مردہ نہ ہوگا جس دن دوسروں کے دل مردہ ہو جائیں گے---[ابنِ ماجہ]

❀❀❀❀❀

# قربانی کے قدیم وجدید مسائل

مفتی محمد شہزاد نوری

مخصوص جانور کو مخصوص ایام میں قرب حاصل کرنے کی نیت سے اللہ کا نام لیتے ہوئے ذبح کرنا، اس کو قربانی کہتے ہیں:

''ذبح کرتے وقت ایک شخص کے ہاتھ میں چھری ہو تو ایک پر، اور اگر دو یا تین لوگوں نے مل کر چھری پکڑی، سب ذبح کرنے میں شامل ہوئے تو ان سب پر تکبیر پڑھنا واجب ہے، اگر ایک نے بھی جان بوجھ کر تکبیر نہ پڑھی تو جانور حلال نہیں ہوگا''---[۱]

## قربانی کب واجب ہوئی

علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۱۲۲ھ) دو ہجری میں ہونے والے اہم واقعات کو درج فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَ فِیْ ذِی الْحَجَّۃِ صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الْعِیْدَ بِالْمُصَلّٰی وَ ضَحّٰی بِکَبْشَیْنِ وَ اَمَرَ النَّاسَ بِالْاُضْحِیَۃِ وَ ھُوَ اَوَّلُ عِیْدِ اَضْحٰی رَاٰہُ الْمُسْلِمُوْنَ---[۲]

''نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذوالحجہ کے مہینے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو عید کی نماز عیدگاہ میں پڑھائی اور دو مینڈھے ذبح فرمائے، پھر مسلمانوں کو قربانی کا حکم فرمایا،

اور یہ پہلی مسلمانوں کی عید تھی، جسے مسلمانوں نے منایا“---

اس سے ثابت ہوا کہ قربانی سنہ ۲/ہجری میں مسلمانوں پر واجب ہوئی تھی، اس سے پہلے واجب نہ تھی۔

## قربانی کس پر واجب ہے؟

امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

اَلْاُضْحِیَّۃُ وَاجِبَۃٌ عَلٰی کُلِّ حُرٍّ مُّسْلِمٍ مُّقِیْمٍ مُّوْسِرٍ فِیْ یَوْمِ الْاَضْحٰی ---[۳]

”ہر آزاد، مسلمان (مرد وزن)، مقیم اور صاحبِ نصاب پر عید الاضحیٰ کے دنوں میں قربانی کرنا واجب ہے“---

امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں، قربانی کرنا واجب ہے، اس لیے کہ حدیث پاک میں آتا ہے:

مَنْ وَّجَدَ سَعَۃً فَلَمْ یُضَحِّ، فَلَا یَقْرَبَنَّ مُصَلَّانَا---

اس حدیث مبارک میں قربانی ترک کرنے والے کے لیے وعید ہے اور وعید ترکِ وجوب پر ہوتی ہے۔

## نصاب کی مقدار

قربانی ہر صاحبِ نصاب پر واجب ہے اور اس سے مراد وہ نصاب ہے جس سے صدقۂ فطر واجب ہوتا ہے، وہ نصاب مراد نہیں جس سے زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ یعنی نصاب پر سال کا گزرنا ضروری نہیں ہے، بلکہ قربانی کے ایام میں بھی اگر کوئی مالکِ نصاب ہوگیا، جیسے کسی کی کمیٹی نکل آئی یا کسی نے تحفہ میں اتنی مالیت دے دی تو اس پر بھی قربانی واجب ہے اور مال نامی ہونا بھی شرط نہیں ہے۔ قربانی کا نصاب یہ ہے: ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے باون تولے چاندی کی مقدار مالِ تجارت یا نقد رقم یا حاجتِ اصلیہ سے زائد سامان، جن کی مالیت ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت کو پہنچ جائے۔ جس کی مِلک میں یہ نصاب ہوگا اس پر قربانی واجب ہے۔[۴]

آج مؤرخہ 9-5-2024، بروز جمعرات کو ایک تولہ چاندی کی قیمت 2,848 روپیہ ہے، اس حساب سے نصاب کی مقدار 1,49,520 روپے بنتے ہیں، اگر کسی کے پاس قربانی کے ایام میں ضرورت سے زائد اتنی رقم یا مال ہو، تو قربانی واجب ہو جائے گی۔

## قربانی کے ایام

شمس الائمہ امام سرخسی حنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”قربانی کا ادا کرنا صرف ایام نحر میں جائز ہے اور ہمارے نزدیک ایام نحر صرف تین دن ہیں، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ایام نحر تین دن ہیں، (دس، گیارہ اور بارہ ذی الحجہ) ان میں پہلا دن افضل ہے اور جب تیسرے دن سورج غروب ہو جائے تو پھر اس کے بعد قربانی جائز نہیں“---[۵]

## قربانی کے جانوروں کی عمر

علامہ عبدالرحمٰن بن محمد بن سلیمان کلیوبی حنفی رحمۃ اللہ علیہ مجمع الانہر میں فرماتے ہیں:

(وَ اِنَّمَا یُجْزِئُ فِیْھَا) اَیْ فِی الْاُضْحِیَّۃِ (الثَّنِیُّ فَصَاعِدًا مِّنَ الْجَمِیْعِ) وَ ھُوَ ابْنُ خَمْسٍ مِّنَ الْاِبِلِ، وَ حَوْلَیْنِ مِنَ الْبَقَرِ وَ الْجَامُوْسِ، وَ حَوْلٌ مِّنَ الشَّاۃِ الْمَعْزِ---[۶]

”(بکری، گائے اور اونٹ کی قربانی میں دوندا یا اس سے زائد عمر والا جانور کفایت کرے گا) اور اونٹ میں اس کی عمر پانچ سال ہے، گائے اور بھینس میں دو سال اور بکری، بھیڑ اور دنبہ میں ایک سال ہے“---

**نوٹ**: دنبہ (جس کی چکلی ہوتی ہے)، فربہ ہونے کی صورت میں چھ ماہ سے بڑا اور سال سے کم ہو تو اس کی قربانی جائز ہے، بھیڑ اور مینڈھا وغیرہ سال سے کم کا ہو تو اس کی قربانی میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ احتیاط اسی میں ہے کہ بھیڑ اور مینڈھا سال سے کم عمر قربانی نہ کیا جائے۔[۷]

## قربانی کے جانور میں کسی کو شریک کرنا

بھیڑ، بکری، دنبہ، چھترا وغیرہ ایک شخص کی طرف سے قربانی کر سکتے ہیں، اس میں ایک سے زیادہ شریک نہیں ہو سکتے، البتہ گائے، بھینس میں سات افراد تک شامل ہو سکتے ہیں، اس سے زیادہ نہیں۔ اونٹ کی قربانی میں بھی زیادہ سے زیادہ سات شخص شریک ہو سکتے ہیں۔ بعض احادیث میں اونٹ کی قربانی میں دس افراد کی شرکت کا ذکر ہے، جمہور کے نزدیک وہ تمام احادیث درج ذیل احادیثِ ناسخہ کی وجہ سے منسوخ ہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

نَحَرْنَا بِالْحُدَیْبِیَّۃِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ اَلْبَدَنَۃَ عَنْ سَبْعَۃٍ، وَ الْبَقَرَۃَ عَنْ سَبْعَۃٍ---[۸]

''نبی کریم ﷺ کے ساتھ حدیبیہ کے مقام پر ہم نے سات افراد کی طرف سے اونٹ اور سات کی طرف سے گائے کی قربانی کی''---

اسی مفہوم کی حدیث صحیح مسلم میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔[۹]

## خاص احتیاط

بڑے جانور کو شرکت میں قربانی کیا تو اس کے گوشت کو وزن کر کے برابر برابر تقسیم کرنا ضروری ہے، اندازے سے ڈھیری بنا کر تقسیم کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اندازے سے تقسیم کرتے وقت کسی کو کم، کسی کو زیادہ چلا جاتا ہے، اگرچہ ایک بوٹی کی کمی بیشی ہو، وہ بھی جائز نہیں، اور ایسے معاملات میں یہ خیال کرنا کہ ہم سب ایک دوسرے کو کمی بیشی معاف کر دیں گے، یہ بھی ناجائز ہے، کیونکہ یہ بندے کا حق نہیں ہے جو معاف کر دے گا، بلکہ یہ شریعت کا حق ہے، جس کو بندہ معاف نہیں کر سکتا۔[۱۰]

دیہات میں اکثر لوگ یہ کرتے ہیں کہ شرکت والی قربانی کو ذبح کرنے کے بعد گوشت کی تقسیم سے پہلے ہی کلیجی و دل وغیرہ نکال کر پکا لیتے ہیں اور سب حصے دار مل کر کھاتے ہیں، مذکورہ جزئیہ کے مطابق یہ عمل بھی جائز نہیں ہے، کیونکہ کس نے کتنا کھایا، کوئی پتہ نہیں۔ یہاں کمی بیشی یقینی ہے، جب کہ شریعت کا حکم ہے برابر برابر تقسیم کیا جائے، وہ بھی وزن کے ذریعے۔

**حیلہ**: اگر بھوک وغیرہ کا غلبہ ہو اور کھانے کی حاجت ہو، تو پھر کلیجی پکا کر کھانے کا جائز طریقہ یہ ہے کہ کلیجی وغیرہ کو سات برابر حصوں میں تقسیم کر کے شرکاء کو دے دیا جائے، پھر شرکاء اپنا اپنا حصہ کسی ایک کو پکانے کے لیے دے دیں تو اب ان کا مل بانٹ کر کھانا جائز ہوگا۔

## بھینس، کٹّے کی قربانی

بھینس اور بھینسا (کٹا) جو وحشی نہ ہو، اُس کی قربانی بلاشبہ جائز ہے، کیونکہ یہ گائے کی ہی ایک قسم ہے اور گائے کی قربانی احادیث سے ثابت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

أَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ: اَلْبَقَرَۃُ عَنْ سَبْعَۃٍ، وَ الْجَزُوْرُ عَنْ سَبْعَۃٍ---[۱۱]

''نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قربانی میں گائے اور اونٹ سات افراد کی طرف سے کافی ہے''---

اور گائے کے ساتھ ساتھ بھینس، کٹے کی قربانی بھی جائز ہے۔لغت کے اعتبار سے بھینس، گائے ہی کی ایک قسم ہے، جیسا کہ لغت کی معروف کتاب لسان العرب میں ہے:

اَلْبَقَرُ جِنْسٌ وَ الْجَامُوْسُ : نَوْعٌ مِّنَ الْبَقَرِ---[۱۲]

''گائے جنس ہے اور اسی کی قسم جاموس یعنی بھینس ہے''---

تاج العروس میں ہے:

اَلْجَامُوْسُ نَوْعٌ مِّنَ الْبَقَرِ---[۱۳]

''بھینس، گائے کی ایک قسم ہے''---

قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ثَمٰنِیَةَ اَزْوَاجٍ ج مِنَ الضَّاْنِ..........---[۱۴]

مکتوبہ بالا آیت کی تفسیر میں مشہور تابعی مفسر حضرت لیث بن ابو سلیم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اَلْجَامُوْسُ وَ الْبُخْتِیُّ مِنَ الْاَزْوَاجِ الثَّمَانِیَةِ---[۱۵]

''بھینس اور بختی اونٹ ان آٹھ جوڑوں میں سے ہیں''---

## بھینس ، کٹّے کی قربانی کے مزید حوالہ جات

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اَلْجَامُوْسُ تَجْزِیْ عَنْ سَبْعَةٍ فِی الْاُضْحِیَّةِ---[۱۶]

''بھینس قربانی میں سات بندوں کی طرف سے کافی ہے''---

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

عَنِ الْحَسَنِ، أَنَّہٗ کَانَ یَقُوْلُ : الجَوَامِیْسُ بِمَنْزِلَةِ الْبَقَرِ---[۱۷]

''حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ بھینس، گائے کی طرح ہی ہے''---

اس کے علاوہ علامہ ابن منذر نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَ أجمعوا عَلٰی أنّ حکم الجَوَامِیْس حُکم البَقر---[۱۸]

''اور علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ بھینس کا حکم گائے والا ہے''---

حضرت امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

إنَّمَا ھِیَ بَقَرٌ کُلُّھَا---[۱۹]

''بے شک بھینس تمام احکام میں گائے کی طرح ہے''---

ان حوالہ جات سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہو گیا کہ گائے کی طرح بھینس، کٹے کی قربانی بلاشبہ جائز ہے اور جو حضرات کٹے کی قربانی کے ناجائز ہونے کی بات کرتے ہیں اور دلیل میں یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بھینس، کٹے کی قربانی نہیں کی، ان سے سوال کریں کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے بھینس کا دودھ پیا تھا؟ یا بھینس، کٹے کا گوشت کھایا تھا؟ اگر دودھ نہیں پیا، گوشت نہیں کھایا تو یہ جائز کیسے ہو گیا؟ بھینس اور کٹے کی قربانی کے ناجائز ہونے کا قول وہی کرے گا جو دین کے اصولوں اور اسلام کی وسعت سے ناواقف ہے اور یہ بات ذہن میں رہے کہ بھینس عرب کا جانور نہیں ہے۔ آپ ﷺ کے زمانۂ اقدس میں بھینس وہاں نہیں پائی جاتی تھی۔ جب اسلام عرب سے نکل کر ایسے علاقوں میں پہنچا، جہاں پر بھینس پائی جاتی تھی، تو تابعین، تبع تابعین، ائمہ، محدثین، فقہاءِ اسلام اور ائمۂ لغت نے صراحت کے ساتھ بھینس کا ذکر کیا ہے اور اسے گائے کی قسم قرار دے کر اس سے ملایا اور مسئلہ بھی واضح کر دیا کہ جو حکم گائے کا ہے، وہی بھینس کا ہے۔

## خصّی جانور کی قربانی

قربانی کے نر جانور کو خصی کرنا جائز ہے اور شرعاً خصی کرنے کو عیب نہیں، بلکہ خوبی شمار کیا گیا ہے۔ خصی جانور کی قربانی افضل ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے خصی مینڈھوں کی قربانی فرمائی۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ذَبَحَ النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ الذَّبْحِ كَبْشَيْنِ أَقْرَنَيْنِ أَمْلَحَيْنِ مُوجَئَيْنِ---[۲۰]

”نبی کریم ﷺ نے عید کے دن دو مینڈھے سینگ والے چت کبرے خصی کیے ہوئے ذبح فرمائے“---

اور خصی جانور کا گوشت غیر خصی کی نسبت زیادہ عمدہ ہوتا ہے، جیسا کہ صاحبِ ہدایہ نے لکھا ہے: لِأَنَّ لَحْمَهَا أَطْيَبُ---[۲۱]

حضرت علامہ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”خصی جس کے خصیے نکال لیے گئے ہیں، مجبوب یعنی جس کے خصیے اور عضوِ تناسل سب کاٹ لیے گئے ہوں، ان کی قربانی جائز ہے“---[۲۲]

## عیب دار جانور کی قربانی

قربانی کے جانور کو عیب سے پاک ہونا چاہیے، تھوڑا عیب ہو تو قربانی مکروہ تنزیہی ہو گی اور زیادہ عیب ہوا تو قربانی نہیں ہو گی۔

**سینگ** : جانور کے پیدائشی سینگ نہ ہوں تو قربانی جائز ہے، اگر سینگ کا اوپر والا خول ٹوٹ گیا ہو یا اندرونی حصہ بھی نصف سے زائد تک کٹ جائے مگر یہ کٹاؤ دماغ تک نہ پہنچے تو قربانی جائز ہے۔ البتہ اگر مینگ (جڑ) نکل گئی کہ جڑ کے نکل جانے سے دماغ نظر آنے لگے تو قربانی جائز نہیں ہے۔[۲۳]

**کان، دم، چکلی**: جس جانور کا کان، دُم یا چکلی کا تیسرا حصہ یا اس سے کم کٹا ہوا ہو اس کی قربانی جائز ہے، اگر تیسرے حصے سے زیادہ کٹا ہو تو اس کی قربانی ناجائز ہے۔ ایسا جانور جس کی پیدائشی طور پر دُم یا کان نہ ہوں، اس کی قربانی جائز ہے۔[۲۴]

**دانت اور تھن**: جس جانور کے دانت نہ ہوں اس کی قربانی جائز نہیں۔ بکری، بھیڑ وغیرہ کا ایک تھن خشک ہو جائے تو قربانی جائز نہیں۔ گائے، بھینس یا اونٹنی کے دو تھن خشک ہو جائیں تو ان کی قربانی ناجائز ہوگی، اگر ایک تھن خشک ہو تو قربانی جائز ہے۔

**خنثٰی جانور** : جس میں نر اور مادہ کی پیشاب والی دونوں علامتیں ہوں اور دونوں جگہوں سے پیشاب کرتا ہو وہ خنثٰی مشکل ہے، اس کی قربانی ناجائز ہے۔[۲۵]

اگر نر و مادہ والی دونوں علامات ہوں لیکن پیشاب ایک جگہ سے کرتا ہو تو اس میں وجہ ترجیح موجود ہے، یعنی یا تو وہ نر ہے یا مادہ ہے، ایسے جانور کی قربانی ہو جائے گی۔

**لنگڑا جانور** : جس جانور کی ایک ٹانگ کٹ گئی یا اس میں اتنا لنگڑا پن ہے کہ خود چل کر قربان گاہ تک نہیں جا سکتا، اس کی قربانی جائز نہیں اور جو لنگڑاتا ہوا چل سکتا ہو اس کی قربانی جائز ہے۔

**اندھا کانا** : اندھے اور کانے جانور کی قربانی جائز نہیں، جس کا کانا پن بالکل ظاہر ہو، اگر بھینگا ہے تو اس کی قربانی جائز ہے۔

**نوٹ** : ان عیوب کے ہوتے ہوئے اگر کسی امیر شخص نے جانور خریدا یا خریدنے کے بعد عیب آیا اور اسی کی قربانی کر دی تو اس کی قربانی نہیں ہوگی، ہاں! اگر غریب شخص نے، جس پر قربانی واجب نہیں تھی، عیب دار جانور خریدا اور اس کی قربانی کر دی تو غریب کی طرف سے کی گئی قربانی ہو جائے گی۔

(عیب دار جانور کے مسائل، بہارِ شریعت، فتاویٰ رضویہ، فتاویٰ نوریہ، درّ مختار، فتاویٰ شامی سے لیے گئے ہیں)

## قربانی کے جانور میں عقیقہ کا حصہ شامل کرنا

قربانی کے جانور (گائے، بھینس، اونٹ) میں عقیقہ کا حصہ شامل کرنا جائز ہے، کیونکہ قربانی کی طرح عقیقہ بھی تقرب کی قسم ہے اور افضل یہ ہے کہ لڑکے کے لیے دو حصے اور لڑکی کے لیے عقیقہ کا ایک حصہ رکھا جائے اور عقیقہ کے گوشت کے قربانی کی طرح تین حصے کرنا مستحب ہے۔ حضرت سیدی فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں، قربانی کرنے والے کے ساتھ عقیقہ کرنے والا بھی شامل ہوسکتا ہے۔ شامی، ج ۵، ص ۲۸۵/ فتاویٰ عالم گیری، ج ۴، ص ۸۴ میں ہے:

وَ النَّظْمُ مِنَ الْهِنْدِيَةِ وَ كَذٰلِكَ إِنْ أَرَادَ بَعْضُهُمُ الْعَقِيقَةَ عَنْ وَلَدٍ وُلِدَ لَهٗ مِنْ قَبْلُ؛ كَذَا ذَكَرَهٗ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ---[۲۶]

اسی طرح حاشیہ طحطاوی [۲۷] اور بہارِ شریعت [۲۸] میں بھی ہے۔

## قرض لے کر قربانی کرنا

جو شخص صاحبِ نصاب نہیں تو اس پر قربانی واجب نہیں، لیکن اگر وہ قرض لے کر قربانی کرتا ہے تو قربانی جائز ہوگی اور ثواب بھی ملے گا۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّا لَا نُضِیْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًاo---[۲۹]

''ہم ان کے نیک اجر ضائع نہیں کرتے جن کے کام اچھے ہوں''---

## قربانی کے مختص جانور کو بیچ کر سستا جانور لینا یا بڑے جانور میں تھوڑے پیسوں کا حصہ ڈالنا

اگر کسی نے بکرے وغیرہ کسی بھی جانور کو قربانی کے لیے مخصوص کرلیا پھر اس جانور کی اچھی قیمت لگنے پر بیچ دیا اور سستا جانور خریدا یا بڑے جانور میں حصہ ڈال لیا تو پہلے جانور میں سے جتنی رقم اضافی بچی ہو اس کو صدقہ کرنا ہوگا، وہ خود استعمال نہیں کرسکتا۔ فقہ اسلامی کی معتبر کتاب فتاویٰ عالم گیری میں ہے:

وَ لَوْ بَاعَ الْاُضْحِيَّةَ ......... وَ يَشْتَرِي بِقِيْمَتِهَا أُخْرٰى وَ يَتَصَدَّقُ بِفَضْلِ مَا بَيْنَ الْقِيْمَتَيْنِ---[۳۰]

اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں امام اہلِ سنت مفتیٔ اعظم ہند مجدد دین وملت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے بھی (مفہوماً) یہی فرمایا ہے۔[۳۱]

## قربانی کے جانور سے نفع اٹھانا

جس جانور کو قربانی کے لیے مختص کر دیا جائے اس سے نفع اٹھانا جائز نہیں ہوتا، یعنی اس پر سواری کرنا یا بوجھ لادنا یا کرایہ پر دینا، اگر دودھ والا جانور ہے تو دودھ نکال کر استعمال کرنا بھی جائز نہیں ہے، ہاں! اگر دودھ تھنوں میں چھوڑنے سے جانور بیمار ہوتا ہو تو اس صورت میں اس کا دودھ نکال کر فقراء میں صدقہ کر دے خود استعمال نہیں کر سکتے، یہی حکم اون کا ہے۔

فتاویٰ عالم گیری میں ہے:

''اگر قربانی کے جانور کی اون کاٹ لی تو اس کو صدقہ کر دے ان سے نفع نہیں اٹھا سکتا''---[۳۲]

## قربانی کی کھال

''بعینہٖ کھال اپنے صرف میں لانا یا اس کے بدلے کوئی باقی رکھنے کی شے، جائے نماز، برتن وغیرہ مول لینا جائز ہے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ کھال کسی مدرسہ یا مسجد میں دے دی جائے کہ ان کے مہتمم اسے بیچ کر لگائیں۔ مگر کھال اپنے لیے داموں کو فروخت کرنا حرام ہے۔ غرض ہر حال میں جلودِ اضحیہ (قربانی کی کھالوں) کو امورِ خیر میں لگانا باعثِ ثوابِ جزیل و رضائے ربِ جلیل ہے''---[۳۳]

فقیہ اعظم پاکستان، مفتی محمد نور اللہ نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''قربانی کا چمڑا مسجد کے امام کو بطورِ تحفہ و خدمت دیا جا سکتا ہے، بطورِ اجرت دینا جائز نہیں ہے''---[۳۴]

بہتر یہ ہے کہ قربانی کی کھالیں دینی مدارس کے طلبہ کے لیے دی جائیں کہ یہ دینی علوم کی ترویج و اشاعت میں معاونت بھی ہے اور بہترین صدقہ جاریہ بھی۔ دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف تقریباً پون صدی سے علمی و روحانی خدمات سرانجام دے رہا ہے۔ درالعلوم کی تعمیرِ نو کا کام جاری ہے۔ علاوہ ازیں طلبہ و طالبات کی خوراک، تعلیم وغیرہ پر کروڑوں روپے خرچ ہو رہے ہیں، آپ بھی صدقات، خیرات، قربانی کی کھالوں اور دیگر عطیات سے معاونت کر کے دار العلوم ہذا کی تعمیر و ترقی کے کارِ خیر میں حصہ لیں۔

## قسطوں پر قربانی کا جانور خریدنا

قسطوں پر کسی بھی چیز کا لینا دینا جائز ہے، چاہے قربانی کا جانور ہی کیوں نہ ہو،

ایسی صورت میں رقم کی ادائیگی میں تاخیر کی وجہ سے چیز کی قیمت بڑھا کر فروخت کی جاتی ہے، جو کہ جائز ہے، مثلاً ایک جانور کی نقد قیمت بیس ہزار ہو اور ادھار میں پچیس ہزار ہے تو ایسا معاملہ شرعاً جائز ہے، سود نہیں۔ فقہ اسلامی کی معتبر کتاب فتح القدیر میں ہے:

کَوْنَ الثَّمَنِ عَلٰی تَقْدِیْرِ النَّقْدِ أَلْفًا، وَ عَلٰی تَقْدِیْرِ النَّسِیْئَۃِ أَلْفَیْنِ لَیْسَ فِی مَعْنَی الرِّبَا---[۳۵]

''کسی چیز کے نقد ثمن ہزار روپے ہوں اور ادھار دو ہزار روپے ہوں تو یہ سود کے معنی میں نہیں''---

یاد رہے کہ ایسے معاملے میں قسط لیٹ ہونے پر جرمانے کی شرط عائد نہیں ہونی چاہیے، ورنہ اس ناجائز شرط کی وجہ سے یہ عقد فاسد ہو جائے گا۔

## کلو کے حساب سے جانور خریدنا

بعض جگہوں پر قربانی کے جانور کو کلو کے حساب سے وزن کر کے بیچا جاتا ہے، اس حساب سے خرید و فروخت شرعاً جائز ہے، بشرطیکہ وہ جانور عیوب سے خالی ہو۔

## قربانی کی بجائے اتنی رقم صدقہ کرنا

اگر کوئی شخص قربانی کی قیمت غریب کو صدقہ کر دے یا کسی قومی یا فلاحی فنڈ میں جمع کروائے تو اس کا واجب (قربانی) ادا نہ ہو گی اور واجب ادا نہ کرنے کی وجہ سے وہ شخص سخت گنہگار ہو گا۔ بلکہ اگر ایسا شخص جس پر قربانی واجب ہو اور وہ ایام قربانی میں قربانی کے علاوہ کوئی اور نیک عمل کرے گا تو اس کا یہ نیک عمل بارگاہِ خداوندی میں قربانی سے بڑھ کر محبوب نہ ہو گا۔

حدیث مبارک میں ہے:

عَنْ عَائِشَۃَ أَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ: مَا عَمِلَ ابْنُ آدَمَ یَوْمَ النَّحْرِ عَمَلاً أَحَبَّ إِلَی اللّٰہِ عَزَّ وَ جَلَّ مِنْ ھِرَاقَۃِ دَمٍ---[۳۶]

''ام المؤمنین حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قربانی کے دن ابنِ آدم کا کوئی عمل بھی قربانی کے جانور کا خون بہانے سے بڑھ کر اللہ عزوجل کے ہاں محبوب نہیں''---

علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''قربانی کے مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ قربانی کے قائم مقام

کوئی چیز نہیں، یہاں تک کہ اگر کسی شخص نے قربانی کے ایام میں بعینہٖ جانور زندہ صدقہ کیا یا اس کی قیمت صدقہ کی، تو قربانی ادا نہ ہوگی، کیونکہ یہاں وجوب کا تعلق خون بہانے کے ساتھ ہے (یعنی قربانی کے جانور کا خون بہانا واجب ہے)''---[۳۷]

## قربانی کا جانور گم ہو جائے یا مر جائے تو

عالم گیری میں ہے:

''اور اگر صاحبِ حیثیت مال دار نے قربانی کے لیے بکری خریدی، پس وہ ضائع ہوگئی، یہاں تک کہ وہ بندہ صاحبِ نصاب نہ رہا اور فقیر ہوگیا اور قربانی کے ایام آگئے تو اس آدمی پر قربانی کے لیے دوسری بکری خریدنا کوئی ضروری نہیں''---[۳۸]

اور درّ مختار میں ہے:

وَ کَذَا لَوْ مَاتَتْ فَعَلَی الْغَنِیِّ غَیْرُھَا لَا الْفَقِیْرِ---[۳۹]

اور اسی طرح اگر قربانی کا جانور مر گیا تو غنی پر اور خریدنا لازم ہے، فقیر پر نہیں۔ لہٰذا جس کی قربانی گم ہوگئی اگر تو وہ صاحبِ نصاب ہے تو اور جانور خریدے اور قربانی کرے اور اگر وہ صاحبِ نصاب نہیں رہا تو خریدنا لازم نہیں ہے۔

## غیر مسلم کو گوشت دینا

پاکستان میں بسنے والے غیر مسلم ذمی ہیں، ان کو قربانی کا گوشت دینا جائز ہے۔ فقہ کی معروف کتاب فتاویٰ عالم گیری میں ہے:

وَ یَھَبُ مِنْھَا مَا شَاءَ لِلْغَنِیِّ وَ الْفَقِیْرِ وَ الْمُسْلِمِ وَ الذِّمِّیِّ---[۴۰]

''جن کو چاہے قربانی کا گوشت دے: غنی کو، فقیر کو، مسلمان کو اور غیر مسلم ذمی کو''---

اور دورِ حاضر کے عظیم محدث و مفسر علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''قربانی کا گوشت کافر حربی کو نہیں دیا جا سکتا، ذمیوں کو دیا جا سکتا ہے۔ پاکستان میں رہنے والے غیر مسلم ذمیوں کے حکم میں ہیں، انہیں (قربانی کا گوشت) دیا جا سکتا ہے''---[۴۱]

البتہ قادیانی کافر و مرتد ہیں، ان کو قربانی کا گوشت نہ دیا جائے۔

## حواشی

۱...... درّ مختار، کتاب الأضحية، ج۹ ص۵۵۱ طبع رشیدیہ

۲...... شرح الزرقانی علی المواهب، ج۲ ص۳۵۶، طبع النوریہ الرضویہ

۳...... مختصر القدوری، ص۲۰۸، دارالکتب العلمیہ

۴...... مفہوماً بہار شریعت، ج سوم، حصہ۱۵، ص۳۳۲

۵...... المبسوط، ج۱۲، ص۱۲، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ

۶...... مجمع الانهر شرح ملتقی الابحر، کتاب الاضحية، ج۴، ص۱۷۱، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ

۷...... فتاویٰ نوریہ، ج۳، ص۴۴۸، ناشر: دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف

۸...... سنن ابن ماجہ، ص۵۱۱، حدیث: ۳۱۳۲، دارالکتب العلمیہ

۹...... صحیح مسلم، حدیث: ۱۳۱۸، ص۴۸۹، کتاب الحج، باب الاشتراك فی الهدی اجزاء البقرة و البدنة كل منهما عن سبعة، دارالکتب العلمیہ

۱۰...... رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الأضحية، ج۹ ص۵۲۷ طبع رشیدیہ

۱۱...... سنن ابی داؤد، کتاب الضحايا، ج۲، ص۴۰، طبع مکتبہ رحمانیہ، لاہور

۱۲...... لسان العرب، ج۶، ص۵۱، دارالکتب العلمیة، بیروت

۱۳...... تاج العروس، ج۸، ص۲۳۱، طبع دار الفکر، بیروت

۱۴...... سورۃ الانعام، ۶، آیت: ۱۴۳

۱۵...... تفسیر درّ منثور تحت هذه الآية، ج۳، ص۳۷۱، دارالفکر، بیروت

۱۶...... مسند الفردوس، ج۲، ص۱۲۴، المکتبة الوحیدیہ پشاور پاکستان

۱۷...... مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الزکاۃ فی الجوامیس، ج۳، ص۵۱۷، رقم: ۱۰۸۴۸، طبع مکتبہ رحمانیہ، مترجم

۱۸...... الاجماع، کتاب الزکاۃ، ص۵۲، مکتبة الفرقان، دولة الامارات العربية

۱۹...... مؤطا امام مالک، کتاب الزکاۃ ما جاء فی صدقة البقرة، ص۲۹۴، طبع قدیمی کتب خانہ، کراچی

۲۰......سنن ابی داؤد، کتاب الضحایا، باب ما یستحب من الضحایا، حدیث: ۲۷۹۵،ص۴۴۸، دار الکتب العلمیه

۲۱...... الهدایة، کتاب الاضحیة، ج۴،ص۳۵۹، دار احیاء التراث العربی، بیروت

۲۲......بہارِشریعت، کتاب الاضحیة، ج۳،ص۳۴۰، مکتبة المدینه

۲۳......فتاویٰ نوریہ، ج۳،ص۴۷۶، ناشر: دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف

۲۴......فتاویٰ نوریہ، ج۳،ص۴۶۷، ناشر: دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف

۲۵......ملخص از: فتاویٰ رضویہ، ج۲۰،ص۲۵۵، رضا فاؤنڈیشن

۲۶......فتاویٰ نوریہ، ج۳،ص۵۰۴، ناشر: دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف

۲۷...... حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار، کتاب الاضحیة، ج۴،ص۱۶۶، مطبوعہ کوئٹہ

۲۸......بہارِشریعت، ج۳،ص۳۴۳،طبع مکتبة المدینه، کراچی

۲۹...... سورۃ الکهف،۱۸، آیت:۳۰

۳۰......فتاویٰ عالم گیری، ج۵،ص۳۰۲ ۳۱......فتاویٰ رضویہ، ج۲۰،ص۴۴۸

۳۲......عالم گیری، کتاب الاضحیة، الباب السادس فی بان ما یستحب، ج۵، ص۳۰۰-۳۰۱

۳۳......مقالات صدر الافاضل، مرتبہ مفتی ذوالفقار خان نعیمی، مطبوعہ مراد آباد، ص۲۸۹

۳۴......فتاویٰ نوریہ شریف، ج۳،ص۴۸۸، کتاب الاضحیة

۳۵...... فتح القدیر، ج۶،ص۸۱

۳۶......ابن ماجہ، ص۲۲۶، ابواب الاضاحی، باب الاضاحی واجبة ام لا، قدیمی کتب خانہ

۳۷...... بدائع الصنائع، ج۵،ص۶۶، کتاب التضحیة، فصل فی کیفیة الوجوب، ایچ ایم سعید کمپنی

۳۸......عالم گیری، ج۵،ص۲۹۲ ۳۹......درّ مختار، ج۵،ص۲۲۹

۴۰......فتاویٰ عالم گیری، ج۵،ص۳۰۰

۴۱......مقالات سعیدی، ص۳۸۶، طبع فرید بک سٹال، لاہور

❀❀❀❀❀

# حضرت سیدنا فاروقِ اعظم اور حضرت سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ عنہما

## کا باھمی ادب و احترام

(صاحبزادہ) محمد محبّ اللہ نوری

اللہ رب العزت نے قرآن مجید فرقان حمید میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ﴾---[الفتح،۴۸:۲۹]

''وہ کافروں پر سخت اور آپس میں مہربان ہیں''---

بقولِ اقبال:

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

یوں تو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی پیکر مودت اور مجسمۂ مہر و محبت تھے لیکن خلفائے راشدین میں بطورِ خاص یہ اوصاف نمایاں تھے--- ماہِ ذی الحجہ کی اٹھارہ تاریخ کو حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا سانحہ پیش آیا، جب کہ اسی ماہ کے اواخر میں حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ ہوا، جس کے نتیجے میں یکم محرم الحرام کو آپ کا وصال ہوا--- اسی مناسبت سے ان دو حضرات کے باہمی ادب و احترام پر مبنی ایک واقعہ نذرِ قارئین ہے، جسے علامہ شیخ مومن بن حسن شبلنجی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے--- آپ لکھتے ہیں:

ایک روز حضرت سیدنا عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ اور حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ، حضور

سرورِ کائنات ﷺ کے کسی کام میں مشغول تھے کہ نمازِ عصر کا وقت ہو گیا، حضرت سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''آگے بڑھیے اور نماز پڑھایئے''---

انھوں نے کہا:

''آپ مجھ سے افضل ہیں، آپ نماز پڑھائیں، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو آگے کیا ہے اور آپ کی تعریف فرمائی ہے''---

حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا، میں آپ کے آگے نہیں کھڑا ہو سکتا، کیوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ نے فرمایا:

((نِعْمَ الرَّجُلُ عُثْمَانُ صِھْرِیْ وَ زَوْجُ ابْنَتِیْ وَ مَنْ جَمَعَ اللّٰہُ بِہٖ نُوْرِیْ))---

''عثمان بہتر انسان اور میرا داماد ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ میرے نور کو جمع فرمایا ہے''---

حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میں آپ کی امامت نہیں کرا سکتا، کیوں کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا، آپ نے ارشاد فرمایا:

((عُمَرُ اَکْمَلَ اللّٰہُ بِہِ الْاِسْلَامَ))---

''عمر کے ذریعے اللہ تعالیٰ اسلام کو کمال عطا فرمائے گا''---

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میں آپ کے آگے کیسے کھڑا ہو سکتا ہوں، جب کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا ہے:

((عُثْمَانُ تَسْتَحْیِیْ مِنْہُ الْمَلٰئِکَۃُ))---

''عثمان (رضی اللہ عنہ) سے اللہ تعالیٰ کے فرشتے حیا کرتے ہیں''---

حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے کہا، میں آپ سے آگے کیسے کھڑا ہو سکتا ہوں جب کہ حضور ﷺ کا یہ فرمان میں نے سنا ہے:

((عُمَرُ اَکْمَلَ اللّٰہُ بِہِ الدِّیْنَ وَ اَعَزَّ بِہِ الْمُسْلِمِیْنَ))---

''اللہ تعالیٰ عمر کے ذریعے دین کو کمال اور مسلمانوں کو عزت و وقار عطا فرمائے گا''---

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے امامت کا حق نہیں پہنچتا، کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

((عُثْمَانُ جَمَعَ الْقُرْآنَ وَ ھُوَ حَبِیْبُ الرَّحْمٰنِ))---

''عثمان قرآن کو جمع کرے گا اور وہ اللہ تعالیٰ کا حبیب ہے''---

حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے کہا، میں آپ کا امام بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا، کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ فرمان میرے پیش نظر ہے:

((نِعْمَ الرَّجُلُ عُمَرُ یَتَفَقَّدُ الْاَرَامِلَ وَ الْاَیْتَامَ وَ یَحْمِلُ لَھُمُ الطَّعَامَ وَ ھُمْ نِیَامٌ))---

''عمر اچھا مرد ہے، وہ بیواؤں اور یتیموں کو ڈھونڈ کر ان کے گھروں میں طعام پہنچایا کریں گے''---

حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نماز میں آپ کا امام نہیں بن سکتا، کیوں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

((غَفَرَ اللّٰہُ لِعُثْمَانَ مُجَھِّزُ جَیْشِ الْعُسْرَۃِ))---

''اللہ تعالیٰ عثمان کی مغفرت فرمائے، جس نے تکلیف اور شدت کے زمانے میں لشکر کی تیاری کے لیے وسائل مہیا کیے''---(اسی لیے آپ کا لقب مجہّز جیش العسرۃ ہے)

حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں آپ کے آگے کھڑا نہیں ہوسکتا، کیوں کہ میں نے آپ کے بارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے:

((اَللّٰھُمَّ اَعِزَّ الْاِسْلَامَ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ))---

''اے اللہ! عمر (رضی اللہ عنہ) کے ذریعے اسلام کو غلبہ عطا فرما''---

نیز آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فاروق کے خطاب سے نوازا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعے حق و باطل کے درمیان فرق قائم کر دیا---

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک یہ گفتگو پہنچی تو آپ نے ان دونوں حضرات کے لیے دعائے خیر کی اور ان کے باہمی ادب و احترام کی تحسین فرمائی---

[نور الابصار فی مناقب آل بیت النبی المختار، صفحہ ۵]

# حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ

ڈاکٹر فیض احمد چشتی

حضرت سیدنا عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ تاریخِ اسلام کے ایسے روشن آفتاب ہیں جو کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اسلام کی وہ عظیم شخصیت ہیں کہ جن کی اسلام کے لیے روشن خدمات، جرأت و بہادری، عدل وانصاف پر مبنی فیصلوں، فتوحات اور شان دار کردار اور کارناموں سے اسلام کا چہرہ روشن ہے۔

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تاریخِ انسانی کا ایسا نام ہے، جس کی عظمت کو اپنے ہی نہیں، بیگانے بھی تسلیم کرتے ہیں۔ وہ نبی نہیں تھے مگر ان کی زبانِ حق وحیٔ الٰہی کی ترجمان تھی، ان کی رائے وحی کے موافق تھی۔ قبولِ اسلام کے بعد وہ اسلام اور پیغمبر اسلام کے شیدائی بن کر فاروق کہلائے۔ انھیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے مانگ کر لیا تھا، وہ مرادِ رسول ٹھہرے۔

آپ رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے سے نہ صرف اسلامی تاریخ میں انقلابی تبدیلی آئی، بلکہ مسلمانوں کی قوت و عظمت میں بھی بے پناہ اضافہ ہوا۔ وہ مسلمان جو پہلے اپنے اسلام کو

ظاہر کرتے ہوئے شدید خطرات محسوس کرتے تھے، اب علانیہ خانہ کعبہ میں عبادت انجام دینے لگے۔

## فضائل و مناقب

حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ عشرۂ مبشرہ (Ten blessed companions) میں شامل ہیں، یعنی آپ ان دس خوش نصیب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں شامل ہیں، جن کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جنت کی بشارت عطا فرمائی۔

حشر کے دن بارگاہِ ایزدی میں آپ رضی اللہ عنہ کا مقام و مرتبہ بیان کرتے ہوئے حضور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَوَّلُ مَنْ یُّصَافِحُہُ الْحَقُّ عُمَرُ، وَ أَوَّلُ مَنْ یُّسَلِّمُ عَلَیْہِ، وَ أَوَّلُ مَنْ یَّأْخُذُ بِیَدِہٖ، فَیُدْخِلُہُ الْجَنَّۃَ---[سنن ابن ماجہ، باب فضل عمر، رقم:۱۰۴]

''حق تعالیٰ سب سے پہلے جس شخص سے مصافحہ فرمائے گا، وہ عمر ہے اور سب سے پہلے جس شخص پر سلام بھیجے گا اور سب سے پہلے جس کا ہاتھ پکڑ کر جنت میں داخل فرمائے گا، وہ عمر ہے''---

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَوْ کَانَ نَبِیٌّ بَعْدِیْ لَکَانَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ---

[جامع ترمذی، کتاب المناقب، رقم:۳۶۸۶]

''اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر بن خطاب ہوتا''---

حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ حد درجہ ذہین، سلیم الطبع، بالغ نظر اور صائب الرائے تھے۔ قرآنِ پاک کے متعدد احکامات آپ رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق نازل ہوئے۔ مثلاً اذان کا طریقہ، عورتوں کے لیے پردہ کا حکم اور شراب کی حرمت۔ آپ رضی اللہ عنہ شجاعت، فصاحت و بلاغت اور خطابت میں یکتائے زمانہ افراد میں سے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ ادبیات میں ذوقِ لطیف کے حامل اور شعر کے اعلیٰ نقاد تھے۔ ابتداء میں بلیغ شعر کہتے مگر دینی خدمت نے اتنا غلبہ پالیا کہ اس ذوق کے اظہار کا موقع نہیں ملتا تھا۔ آپ شعر جاہلیت میں اصلاح کے علم بردار تھے۔ فنونِ حرب اور سپہ گری میں شجاعانِ عرب میں نہایت ممتاز و منفرد تھے۔ اپنے والد کی طرح

شہرہ آفاق نساب تھے۔ زندگی کا اکثر وبیش تر حصہ فیضانِ نبوت سے سیرابی میں بسر کیا، مگر محتاط مزاج کی بناپر احادیث کی روایت بہت کم فرماتے۔ فقہ اور اجتہاد میں بلند مقام رکھتے تھے، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم جن تک ائمۂ فقہ کے سلاسل جا کر ملتے ہیں، آپ رضی اللہ عنہ کے تربیت یافتہ تھے۔ آپ کے تفقہ کی صداقت کی گواہی اس مشہور واقعہ سے ملتی ہے کہ ایک یہودی اور منافق مسلمان میں کسی بارے میں تنازعہ ہوا۔ معاملہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیانات کے بعد فیصلہ یہودی کے حق میں دیا۔ وہ منافق مسلمان حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس آیا کہ آپ حمیتِ دینی میں اس کا ساتھ دیں گے، مگر جب آپ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقدمہ کا فیصلہ فرما چکے ہیں اور اب منافق مجھ سے فیصلہ چاہتا ہے، تو تلوار اٹھا کر منافق کا سر قلم کر دیا۔ قرآن کریم نے سورہ نسآء، آیت: ۶۴-۶۵ میں اس فیصلہ کی توثیق کی اور مستقل طور پر یہ اصول طے پایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلہ کو آخری حیثیت حاصل ہے اور جو اس فیصلہ کو درست تسلیم نہ کرے وہ مومن نہیں ہے۔

[تفسیر معالم التنزیل للبغوی، تفسیر مظہری، تحت الآیۃ]

اسلام کی آمد سے قبل عرب میں لکھنے اور پڑھنے کا کوئی خاص رواج نہ تھا، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے تو قبیلہ قریش میں صرف سترہ آدمی ایسے تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی اسی زمانہ میں لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا۔ چنانچہ امیر المومنین سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے فرامین، آپ کے خطوط، آپ کے خطبات اور توقیعات، اب تک سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں محفوظ ہیں، جن سے آپ رضی اللہ عنہ کی قوتِ تحریر، برجستگیٔ کلام اور زورِ تحریر و تقریر کا ایک اندازہ ہوتا ہے۔

فصاحت و بلاغت کا یہ عالم تھا کہ آپ کے بہت سے مقولے عربی ضرب المثل بن گئے، جو آج بھی عربی ادب کی جان ہیں۔

## دَورِ خلافت

آپ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مسلمانوں کو بے مثال فتوحات اور کامیابیاں نصیب ہوئیں۔

آپ رضی اللہ عنہ نے قیصر و کسریٰ کو پیوند خاک کر کے اسلام کی عظمت کا پرچم لہرانے کے علاوہ شام، مصر، عراق، جزیرہ، خوزستان، عجم، آرمینیا، آذربائیجان، فارس، کرمان، خراسان اور مکران فتح کیے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں 3600 علاقے فتح ہوئے، 900 جامع مساجد اور 4 ہزار مساجد تعمیر ہوئیں۔

حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں بیت المال اور عدالتیں قائم کیں، عدالتوں کے قاضی مقرر کیے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے سنہ تاریخ کا اجراء کیا، جو آج تک جاری ہے۔ مردم شماری کرائی، نہریں کھدوائیں، شہر آباد کروائے، جیل خانہ قائم کیا، راتوں کو گشت کر کے رعایا کا حال دریافت کرنے کا طریقہ نکالا، پولیس کا محکمہ قائم کیا، جا بجا فوجی چھاؤنیاں قائم کیں، ان کی تنخواہیں مقرر کیں، پرچہ نویس مقرر کیے، مکہ معظّمہ سے مدینہ منورہ تک مسافروں کے لیے مکانات تعمیر کروائے، بچوں کی پرورش کے لیے روزینے مقرر کیے، مختلف شہروں میں مہمان خانے تعمیر کروائے، مکاتب و مدارس (Schools and institutions) قائم فرمائے، معلمین اور مدرسین (Teachers) کے مشاہرے مقرر کیے، تجارت کے گھوڑوں پر زکوٰۃ مقرر کی، وقف کا طریقہ ایجاد کیا، مساجد کے ائمہ کرام اور مؤذنوں کی تنخواہیں مقرر کیں، مساجد میں راتوں کو روشنی کا انتظام کیا۔ علاوہ ازیں آپ رضی اللہ عنہ نے عوام کے لیے بہت سے فلاحی و اصلاحی احکامات اور اصطلاحات جاری کیں۔ [تاریخِ اسلام، بشیر احمد تمنا، ص 133]

## شہادت

26 ذوالحجہ 23ھ کو آپ رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ ہوا، آپ رضی اللہ عنہ شدید زخمی ہو گئے، چار دن تک آپ موت و حیات کی کشمکش میں رہے۔ یکم محرم الحرام 24 ہجری کو اپنے بیٹے سے کہا:

''میری پیشانی زمین سے لگا دو'' ---

اس طرح سجدے کی حالت میں جان، جان آفرین کے سپرد کر دی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ

آپ رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔ آپ رضی اللہ عنہ کا زمانۂ خلافت دس سال پانچ ماہ اکیس دن بنتا ہے۔

❀❀❀❀❀

# حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں غیر معمولی اہمیت کے حامل تھے، ان کا سلسلۂ نسب پانچویں پشت میں عبد مناف پر ختم ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے جا ملتا ہے۔ واقعہ فیل کے چھٹے سال پیدا ہوئے، نبوت کے پہلے سال میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تبلیغ سے شرفِ اسلام حاصل کیا۔ اس وقت آپ کی عمر ۳۴ سال تھی اور اسلام لانے والوں میں چوتھا نمبر تھا۔

نبوت کے دوسرے سال میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔ تیرہ سال بعد دو ہجری میں حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا وصال ہو گیا، اسی سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دیا، اسی وجہ سے آپ کا لقب ''ذوالنورین'' مشہور ہوا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بہت دولت مند تھے اور آپ نے اپنے مال کو اسلام کی راہ میں دل کھول کر خرچ کیا۔ ہجرت کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کے لیے ایک میٹھے پانی کا کنواں ایک یہودی سے بیس ہزار درہم دے کر خریدا، نو ہجری میں غزوۂ تبوک کی تیاری کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک ہزار دینار اور ایک ہزار اونٹ پیش کیے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اسلامی مملکت کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا تھا۔ افریقہ میں طرابلس، برقہ اور مراکش فتح ہوئے، ایران سے متصل افغانستان، خراسان اور ترکستان کا ایک حصہ فتح ہوا، دوسری طرف آرمینیا، آذربائیجان بھی فتح ہوئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بارہا شہادت اور جنت کی بشارت دی تھی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بارہ سال حکومت کی اور اس عرصہ میں شاندار اسلامی فتوحات انجام دیں، جن میں سے قرآن کو مصحفِ واحد پر جمع کرنا ایک ایسا کارنامہ ہے جو رہتی دنیا تک یادگار رہے گا۔

۳۵ھ میں مفسدوں نے آپ کے خلاف بغاوت کی، یہ سب ابن سباء کے پیروکار تھے، ان لوگوں نے کاشانۂ خلافت کا محاصرہ کر لیا، باہر سے پانی تک پہنچانا بند کر دیا، جس دن

آپ کی شہادت ہونے والی تھی، آپ روزہ سے تھے، جمعہ کا دن تھا، خواب میں دیکھا کہ حضور ﷺ، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما تشریف فرما تھے اور فرما رہے تھے، عثمان! جلدی کرو ہم تمہارے افطار کے منتظر ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم کی تلاوت شروع کردی، اسی اثناء میں باغیوں نے مکان پر حملہ کردیا اور مکان میں داخل ہوگئے۔ پہلا حملہ محمد بن ابی بکر نے کیا، پھر کنانہ بن بشر نے پیشانی پر لوہے کی سلاخ ماری، سودان بن حمران نے دوسری ضرب لگائی، جس سے خون کا فوارہ جاری ہوگیا۔ عمرو بن الحمق سینہ پر چڑھ بیٹھا اور جسم کے مختلف حصوں پر لگاتار نیزوں کے نو زخم لگائے۔ ایک اور شقی نے بڑھ کر تلوار کا وار کیا اور آپ کی شمع حیات بجھا دی۔

جس وقت آپ شہید ہوئے اس وقت قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے اور آیت کریمہ ''فَسَیَکْفِیْکَھُمُ اللّٰہُ'' پر آپ کا خون گرا اور اس طرح ۱۷/ذی الحجہ، ۳۵ ہجری کو اسلام کا یہ رجلِ عظیم دنیا سے رخصت ہوگیا۔

[ابن اثیر، متوفی ۶۳۰ھ، اسد الغابۃ، جلد۳، صفحہ ۲۷۶]

# وفیات

**گزشتہ دنوں:**

● مولانا حاجی محمد انور نوری (گرین ٹاؤن، لاہور) کے بھائی اور حافظ محمد علی نوری کے والد محمد سرور، ● مولانا محمد علی نوری (جامعہ نوریہ، مروٹ) کی اہلیہ محترمہ، ● مولانا ابوالفیض علی محمد نوری رحمۃ اللہ علیہ (وہاڑی) کی صاحبزادی، ● ڈاکٹر سید محمود الحسن گیلانی (گنوں، ساہیوال) کے برادرِ گرامی، ● الحاج چودھری خوشی محمد نوری کے جواں سال پوتے اور الحاج چودھری محمد اسحاق نوری رحمۃ اللہ علیہ (داروغہ والا، لاہور) کے نواسے چودھری حمزہ خوشی محمد، ● حافظ غلام اکبر نوری (سینٹری سٹور، بصیر پور) کے جواں سال بیٹے محمد علی، ● مولانا حاجی محمد دین نوری رحمۃ اللہ علیہ (بصیر پور) کے جواں سال پوتے اور ● قاری فیاض احمد (فرید ٹاؤن، ساہیوال) کی خوش دامن صاحبہ مسافرانِ آخرت میں شامل ہوگئے---اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

جانشین فقیہ اعظم الحاج صاحبزادہ مفتی محمد محبّ اللہ نوری مدظلہ العالی نے دعا فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرما کر اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل سے نوازے---

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ و سلم علیہ و علیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین

## قائدانہ اوصاف ، اسوۂ حسنہ کی روشنی میں 5

# پیرؤوں کے ساتھ حسنِ سلوک

پروفیسر خلیل احمد نوری

قائد کے نظریے، نصب العین اور اس کے عمل کی پیروی کرنے والے افراد، قائد کے پیرو (Followers) کہلاتے ہیں۔ ضروری ہے کہ پیرو اور قائد کے مابین محبت، اخلاص، وفاداری اور خیر خواہی کا گہرا اور مضبوط تعلق قائم رہے۔ کسی بھی مرحلے میں قائد، اپنے ساتھیوں سے بے نیاز، غیر متعلق اور بے خبر نہ ہو، اپنے پیرؤوں کی مشکلات، دکھ اور رنج میں انہیں تنہا نہ چھوڑے۔ ادنیٰ سے ادنیٰ کارکن کو نظر انداز نہ کرے، ان کی عزت نفس کا خیال رکھے، غلطیوں پر ان کی اصلاح کرے۔ ان کی تربیت کرے مگر انہیں اپنی کم مائیگی اور بے توقیری کا احساس نہ ہونے دے۔ قائد کا یہی وہ رویہ اور حسنِ سلوک ہے جو پیرؤوں کو اپنے قائد کے ساتھ سچی محبت، تعظیم و توقیر، شدید وابستگی، والہانہ پن، حتیٰ کہ جانبازی اور فداکاری پر آمادہ رکھتا ہے۔

حضور سید عالم، رسولِ اکرم ﷺ کے مبارک عہد میں جو خوش نصیب انسان، حضور خاتم النبیین ﷺ کی زیارت سے فیض یاب ہو کر آپ ﷺ پر ایمان لائے، پیروی اور اطاعت کی، اسلامی اصطلاح میں انہیں اصحابِ رسول کہا جاتا ہے۔

حضور ﷺ کی شخصیت، پوری انسانیت کے لیے صفتِ رحمت و راحت میں گندھی ہوئی تھی کہ دوست اور دشمن کا یہاں کوئی فرق نہ تھا۔ ماننے اور انکار کرنے والوں کے درمیان

تمیز کیسے ہوسکتی تھی کہ آپ کی رحمت اور شفقت کو آپ ﷺ کے خالق عزوجل نے عالمین پر پھیلا رکھا ہے [الحج،۲۲:۱۰۷]، جس طرح انسانیت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے اخلاقِ کریمانہ کو رحمۃ للعالمین کے دو لفظوں میں سمو دیا گیا ہے، یوں ہی رؤف ورحیم کے دو الفاظ میں امتیوں، خصوصاً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ، جو نزولِ قرآن کے براہِ راست مخاطب تھے، حضور ﷺ کی رأفت ورحمتِ خاص کو بیان کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ○---[التوبۃ،۱۰:۱۲۷]

"(یہ رسول ﷺ) ایمان والوں کے لیے نہایت شفیق، بے حد رحم فرمانے والے ہیں"---

رؤف ورحیم کے ان دو الفاظ میں ایسی جامعیت ہے کہ صحابہ کرام اور بعد میں آنے والے تمام امتیوں کے لیے حضور رسول اللہ ﷺ کے تعلق کو، جس زاویے سے دیکھیں، شفقت ومحبت اور رحمت والفت کے سوا کوئی دوسرا نام نہیں دیا جاسکے گا۔

آپ ﷺ اپنے پیرؤوں، یعنی صحابہ کرام کے ساتھ شفیق ومہربان تھے کہ ان کی دنیا اور آخرت کی بھلائی، ان کے نفع اور ترقی وبہتری کی کوششوں میں زندگی بسر فرما دی۔ جنت کی خوش خبری دی اور دوزخ سے انہیں ڈرایا۔ دعوت الی الحق کی بات ہو یا لین دین کا کوئی معاملہ، کبھی کسی صحابی سے تند خوئی اور ترش روئی کا طرزِ عمل اختیار نہ فرمایا۔ اپنے پیرؤوں کی خامیوں کو دور فرمایا اور خوبیوں کو ابھارا، ان کے باہمی تنازعات اور جھگڑوں کو محبت والفت میں بدل دیا، ان کا تزکیہ کیا، تربیت کی۔ اس مقصد کی خاطر دارِ ارقم اور صفہ میں مراکزِ علم و حکمت قائم فرمائے۔ کسی صحابی میں کوئی دینی خوبی ملاحظہ فرمائی تو اس کی تحسین کی، کمی دیکھی تو اسے دور کرنے کا مشورہ دیا۔ جاہلی طور طریقوں اور بد اخلاقیوں کو ختم فرما کر انہیں مہذب، متمدن، باوقار، عزت دار اور اعلیٰ اخلاق سے آراستہ قوم بنا دیا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے کبھی کسی کو یہ احساس نہ ہوا کہ اس سے بے رخی برتی جارہی ہے یا سرد مہری کا رویہ اختیار کیا جارہا ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ ہر ایک کے حالات سے آگاہ رہتے، ان کی نجی اور ذاتی زندگی کے بارے میں استفسار فرماتے، دکھ، درد اور مصیبت کے وقت ان کے کام آتے، رنج اور غم میں ان کو تسلی دیتے، مشکلات میں مدد کے لیے عملی اقدام فرماتے، تنگ دستوں اور محتاجوں کو

مال سے نوازتے۔ فقر و فاقہ کے دن ہوتے اور سائل کو دینے کے لیے کچھ نہ ہوتا تو فرماتے کہ میرے نام پر قرض لے لو، جب خوش حالی ہوگی، ہم ادا کر دیں گے۔ اہلِ ثروت افراد کو بھی ناداروں کی مدد و اعانت پر ابھارتے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو مشوروں میں شریک فرماتے اور ان کے نجی امور میں انہیں مشوروں سے نوازتے۔ بھلائی کے کاموں میں ان کی حوصلہ افزائی فرماتے۔ کچھ دنوں کے لیے جب کبھی کوئی صحابی نظر نہ آتا، اس کے بارے میں دریافت فرماتے۔ مریضوں کی بیمار پرسی کے لیے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ہاں قدم رنجہ فرماتے۔ وفات کے وقت ان کی نمازِ جنازہ ادا فرماتے، تدفین میں شرکت کرتے، ان کے لیے بخشش و مغفرت کی دعا فرماتے۔ اپنی ذات کی خاطر کبھی انتقام نہ لیا، کوتاہیوں اور لغزشوں سے عفو و درگزر فرماتے۔ سچوں کے عذر قبول فرماتے، جھوٹے اور منافق شخص کی باطنی کیفیت کا علم ہونے کے باوجود نظر انداز فرماتے کہ اس کا ظاہر سچے پیروؤں کی طرح ہوتا۔ تعزیر و تادیب کے باعث کسی کو سزا دینا ہوتی تو چشم پوشی فرما کر ممکن حد تک سزا مؤخر فرماتے، تاکہ مجرم خود اپنی اصلاح کر لے۔ سزا کے وقت بھی مجرم کے ساتھ شفقت و مہربانی پورے عروج پر ہوتی۔ سزا یافتہ فرد کے بارے میں کوئی شخص نامناسب گفتگو کرتا تو اسے منع فرما دیتے اور سزا یافتہ شخص کے اخلاص کی گواہی دیتے۔ تحائف وصول فرماتے، تاکہ کسی کی حوصلہ شکنی نہ ہو، البتہ بدلے میں تحفہ دے کر نوازتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احسان کرنے والے کے احسان کو یاد رکھا اور احسان فرما کر بدلہ دیا۔ جس کے احسان کا بدلہ دنیا میں ممکن نہ ہوتا، اس کے بارے میں فرمایا کہ اس کا بدلہ اللہ تعالیٰ آخرت میں عطا فرمائے گا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تعلق اور برتاؤ کا یہ ایک طائرانہ سا خاکہ ہے، ان میں سے ہر عنوان کئی عناوین پر مشتمل ہے۔ پھر ہر ایک عنوان پر قرآن و سنت کے سیکڑوں براہین اور دلائل موجود ہیں۔ یہ کہنا بہتر ہوگا کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری حیاتِ طیبہ کی ہر سرگرمی کو بلا امتیاز کفر و ایمان، انسانیت کے حوالے سے دیکھیں تو ''رحمۃ للعالمین'' کے الفاظ کی تفسیر معلوم ہوگی اور اگر پیروؤں یعنی ایمان داروں کی نسبت سے جائزہ لیں تو ''رؤف و رحیم'' کے الفاظ کا عملی اظہار دکھائی دے گی۔ گویا پیروؤں کے معاملے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن کریم کی اس ہدایت کا مجسم پیکر تھے:

وَ اصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَ لَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ج---[الکہف،۱۸:۲۸]

''اور آپ اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ روکے رکھیے جو اپنے رب کو صبح و شام پکارتے ہیں، وہ اس کی رضا چاہتے ہیں اور آپ کی آنکھیں انہیں چھوڑ کر کسی اور پر نہ پڑیں''---

وَ اخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَo---[الشعراء،۲۶:۲۱۵]

''اور اپنے پیرو اہل ایمان کے لیے اپنی رحمت کا بازو بچھائے رکھیے''---

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لیے حضور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نرم دلی اور کریم النفسی کا قرآن کریم نے ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ج وَ لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ص---[آل عمرٰن،۳:۱۵۹]

''تو (اے محبوب!) آپ پر کیسی اللہ کی مہربانی ہے کہ آپ ان کے لیے نرم دل واقع ہوئے ہیں اور اگر آپ تند مزاج، سخت دل ہوتے تو وہ ضرور آپ کے اردگرد سے چھٹ چکے ہوتے، پس آپ ان سے درگزر کیا کیجیے اور ان کی شفاعت کیا کیجیے اور کاموں میں ان سے مشورہ لیتے رہیے''---

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شفقت و محبت اور رأفت و رحمت درج ذیل واقعہ سے بخوبی واضح ہو جائے گی۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ، ہجرتِ مدینہ کے واقعہ میں بیعتِ عقبہ ثانیہ کے ضمن میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ ملاقات، بیعت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی دعوت دینے کا ذکر کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

ایام تشریق میں رات کا ایک تہائی حصہ گزرنے پر منیٰ میں واقع گھاٹی میں ہم تہتر مرد تھے اور ہمارے ساتھ دو خواتین بھی تھیں، جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ملاقات کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چچا حضرت سیدنا عباس رضی اللہ عنہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہمراہ تھے۔ وہ اگرچہ ابھی ایمان نہیں لائے تھے مگر وہ چاہتے تھے کہ اپنے بھتیجے کے ساتھ ہونے والے معاملے میں

شریک ہوں اور اس معاہدے کی تصدیق کریں۔انہوں نے بات کا آغاز کرتے ہوئے کہا:

''تم لوگ جانتے ہو کہ (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم میں سے ہیں، دشمنوں کے مقابلے میں ہم ان کی خوب حفاظت کر رہے ہیں، اب اگر تم انہیں اپنے ہاں آنے کی دعوت دے رہے ہو تو دیکھ لو کہ ان کے ساتھ وفا کر سکو گے اور مخالفین کے مقابلے میں ان کا ساتھ دو گے؟ اگر ایسا ہے تب تو ٹھیک ہے، ورنہ کل کو انہیں تنہا چھوڑ دینے سے بہتر ہے کہ ابھی اس سے دست بردار ہو جاؤ، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قوم اور اپنے شہر میں معزز و محترم ہیں اور ہر طرح سے محفوظ ہیں''---

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے انصار سے فرمایا:

''کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم ان کے ہاتھ پر کس چیز کی بیعت کر رہے ہو؟---

انہوں نے کہا کہ ہاں۔حضرت عباس نے فرمایا:

''تمہاری اس بیعت کا مطلب سرخ و سیاہ (مشرق و مغرب) کے لوگوں کو جنگ کی دعوت دینا ہے۔اگر جان و مال کا نقصان برداشت کرتے ہوئے عہد و پیمان کو پورا کرو تو دنیا اور آخرت کی سرخروئی حاصل کر لو گے ورنہ دنیا اور آخرت کی رسوائی تمہارے حصے میں آئے گی---

انصار بولے: اگر ہم اپنی جانوں اور مال کا نقصان برداشت کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاصل کر لیں تو ہمیں اس کے عوض میں کیا ملے گا؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جنت۔

حضرت کعب بیان کرتے ہیں کہ حضرت عباس کی بات سن کر ہم نے کہا، ٹھیک ہے ہم نے آپ کی بات سن لی۔یا رسول اللہ! آپ ارشاد فرمائیں کہ آپ ہم سے کس بات کا عہد لینا چاہتے ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن مجید کی تلاوت فرمائی، دعوت الی اللہ دی اور اسلام کی ترغیب دینے کے بعد فرمایا:

أُبَايِعُكُمْ عَلٰى أَنْ تَمْنَعُوْنِيْ مِمَّا تَمْنَعُوْنَ مِنْهُ نِسَاءَ كُمْ وَ أَبْنَاءَ كُمْ---

''مجھے تم لوگ اس بات کی بیعت دو کہ اسی طرح میری حفاظت اور دفاع کرو گے جس طرح تم اپنے اہل وعیال کی حفاظت کرتے ہو''---

اس پر حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دستِ مبارک پکڑ کر عرض کیا:

''ہاں! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، ہم اسی طرح آپ کی حمایت و دفاع کریں گے جس طرح اپنے اہل وعیال کی کیا کرتے ہیں، اللہ کی قسم! ہم جنگ وجدل کی گود میں پلے ہوئے ہیں، ہم نے اپنے آباؤ اجداد سے شمشیرزنی ورثہ میں پائی ہے''---

حضرت براء رضی اللہ عنہ ابھی اتنا کہہ پائے تھے کہ ان کی بات کاٹ کر حضرت ابوالہیثم التیہان رضی اللہ عنہ گویا ہوئے:

''یارسول اللہ! یہود سے ہمارے تعلقات ہیں، اب یہ تعلقات منقطع ہوجائیں گے''---

هَلْ عَسَيْتَ إِنْ نَحْنُ فَعَلْنَا ذٰلِكَ، ثُمَّ أَظْهَرَكَ اللّٰهُ، أَنْ تَرْجِعَ إِلٰى قَوْمِكَ، وَ تَدَعَنَا؟---

''کہیں ایسا نہ ہو کہ جب یہ سب ہم کر گزریں اور آپ کو اللہ تعالیٰ غلبہ اور قوت عطا فرمادے تو آپ ہمیں چھوڑ کر اپنے وطن واپس چلے جائیں''---

فَتَبَسَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ثُمَّ قَالَ: بَلِ الدَّمُ الدَّمُ، وَ الْهَدْمُ الْهَدْمُ، أَنَا مِنْكُمْ وَ أَنْتُمْ مِنِّيْ، أُحَارِبُ مَنْ حَارَبْتُمْ، وَ أُسَالِمُ مَنْ سَالَمْتُمْ ---

''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسکرا کر فرمایا: بلکہ اب میرا خون تمہارا خون، تمہارا خون میرا خون اور تمہارا دشمن میرا دشمن، میرا دشمن تمہارا دشمن ہوگا (یعنی ہمارا جینا مرنا ایک ساتھ ہوگا اور دوستی دشمنی بھی ایک ساتھ ہوگی) میں تم سے ہوں اور تم مجھ سے ہو، جس سے تمہاری لڑائی، اس سے میری لڑائی اور جس سے تمہاری صلح اس سے میری صلح ہوگی''---

ان الفاظ کا ادا ہونا تھا کہ انصار سرور ونشاط میں ایک دوسرے سے بڑھ کر بیعت کے لیے ہاتھ بڑھانے لگے۔ سب سے پہلے حضرت اسعد بن زرارہ نے بیعت کی یا حضرت ابوالہیثم التیہان نے یا حضرت کعب بن مالک نے یا حضرت براء بن معرور نے کی (رضی اللہ عنہم)

[سیرت ابن ہشام، ۳، ۴: ۱۰۱ تا ۵۰۱]

روایات میں اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ اس موقع پر ہر کوئی سبقت کا خواہش مند تھا۔

اس واقعہ کے بیان کا مقصد اس منظر کو سامنے لانا ہے جس میں ایک طرف انصار کا وہ عہد و پیمان ہے جس پر وہ زندگی بھر ثابت قدم رہنے کا اقرار بصورتِ بیعت کر رہے ہیں، دوسری طرف حضور رسول اللہ ﷺ کے وہ تسلی آمیز کلمات ہیں جن کے ذریعے آپ ﷺ انصار کے جذبے کی قدر فرما کر انہیں اپنی وفا کی یقین دہانی فرما رہے ہیں۔ ان سے بڑھ کر اپنے پیروؤں کی حوصلہ افزائی، دل جوئی اور دل داری کے لیے کوئی اور الفاظ ہو ہی نہیں سکتے تھے۔ پھر ان الفاظ کے ذریعے وقتی طور پر محض دل جوئی کرنا مقصود نہ تھا، بلکہ یہ الہامی کلمات تھے، جو الصادق المصدوق کی زبانِ اقدس سے ادا ہو رہے تھے۔ چنانچہ جب مکہ مکرمہ فتح ہو گیا اور پورے عرب میں اسلام کا پرچم لہرانے لگا، تب بھی حضور ﷺ نے اپنے وطن میں کعبۃ اللہ کے سائے میں قیام فرما ہونے کے بجائے وصال مبارک تک مدینہ منورہ میں قیام فرمایا اور اپنے پیروؤں کے ساتھ وفا کی لازوال مثال قائم فرمائی۔

حضور رسول اللہ ﷺ کی مدنی زندگی کے دس برسوں میں درج بالا عہد و پیمان کو وفا کی صورت میں متشکل ہوتے بار بار دیکھا گیا، مگر اس کی اہم اور نمایاں مثال غزوۂ حنین سے حاصل ہونے والے مالِ غنیمت کی تقسیم کا واقعہ ہے۔ اس موقع پر غنیمت کی تقسیم میں مکہ مکرمہ کے جدید الاسلام لوگوں کو تالیفِ قلوب کی خاطر زیادہ مال دیا گیا۔ اس خاص احسان کی وجہ سے انصارِ مدینہ کے دلوں میں کئی طرح کے وسوسے جنم لینے لگے۔ بنیادی وسوسہ یہی تھا کہ شاید رسول اللہ ﷺ اب مدینہ منورہ نہیں جائیں گے، بلکہ مکہ مکرمہ میں قیام فرما رہیں گے۔ حضور ﷺ کی معیت و رفاقت سے محرومی کی سوچ نے انہیں پریشان کر دیا۔ اپنے محبوب کے جمالِ جہاں آراء کی زیارت سے تہی دامنی کے تصور نے انہیں تڑپا کر رکھ دیا۔ اسی دل شکستگی کے باعث ان کے بعض نوجوانوں کی زبانوں پر ایسی بات آ گئی جو ان کے ماضی میں کیے گئے ایثار کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں رکھتی تھی۔ اہلِ مکہ پر خاص احسان اور انعام کی بارش نے انصار کو غم زدہ کر دیا اور محبوب اکرم ﷺ کی محرومی کے ساتھ مال کی محرومی نے شکوے کی صورت اختیار کر لی تھی۔ چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ کے پاس اس شکوے کی اطلاع پہنچی تو آپ ﷺ نے انصار کو ایک خیمے میں طلب فرمایا اور ان سے خطاب فرمایا۔ فصاحت و بلاغت سے بھرپور اس خطبے کی ادب میں نظیر و مثال ملنا ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد ارشاد فرمایا:

یَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ ! أَلَمْ أَجِدْکُمْ ضُلَّالاً فَھَدَاکُمُ اللّٰہُ بِیْ ؟ وَ کُنْتُمْ مُتَفَرِّقِیْنَ فَأَلَّفَکُمُ اللّٰہُ بِیْ ؟ وَ عَالَۃً فَأَغْنَاکُمُ اللّٰہُ بِیْ؟---

''اے انصار! کیا یہ بات نہیں کہ تم پہلے گمراہ تھے، میرے باعث اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہدایت عطا فرمائی، تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، اللہ تعالیٰ نے میرے آنے پر تمہارے دلوں کو جوڑ دیا اور تم مفلس تھے، اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے تمہیں مال دار بنا دیا؟''---

حضور ﷺ کے ہر فقرے پر انصار کہتے جاتے تھے: کیوں نہیں یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا ہم پر بڑا فضل و احسان ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اے گروہِ انصار! تم میری بات کا جواب دے سکتے ہو؟''---

عرض کیا کہ ہم کیا جواب دیں، جب کہ اللہ اور اس کے رسول کا ہم پر فضل و کرم ہے۔ فرمایا:

''اللہ کی قسم! اگر تم چاہو تو یوں کہہ سکتے ہو اور میں تمہاری تصدیق کروں گا کیونکہ یہ بات غلط نہ ہوگی:

أَتَیْتَنَا مُکَذَّبًا فَصَدَّقْنَاکَ، وَ مَخْذُوْلًا فَنَصَرْنَاکَ، وَ طَرِیْدًا فَآوَیْنَاکَ، وَ عَائِلًا فَآسَیْنَاکَ---

''(یا رسول اللہ!) آپ اس وقت ہمارے پاس تشریف لائے جب لوگ آپ کی تکذیب کر چکے تھے، ہم نے آپ کی تصدیق کی، جب دوسروں نے آپ کو چھوڑ دیا تو ہم نے آپ کی مدد کی، جب لوگوں نے آپ کو اپنے سے دور کر دیا تو ہم نے آپ کو پناہ دی، آپ کے پاس زندگی گزارنے کے لیے کچھ نہ تھا، ہم نے آپ کی غم گساری کی''---

حضور ﷺ نے خطاب جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

''اے انصار! تم دنیا کی عارضی دولت نہ ملنے پر ناراض ہو گئے جس کے ذریعے میں نے لوگوں کی تالیفِ قلب کی تا کہ وہ اسلام میں پختہ ہو جائیں اور تم کو میں نے اسلام کے حوالے کر دیا:

یَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ أَوَلَا تَرْضَوْنَ أَنْ یَرْجِعَ النَّاسُ بِالْغَنَائِمِ إِلٰی بُیُوْتِھِمْ، وَ تَرْجِعُوْنَ بِرَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ إِلٰی بُیُوْتِکُمْ ---

فَوَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ لَوْ لَا الْھِجْرَۃُ لَکُنْتُ امْرَأً مِنَ الْاَنْصَارِ، وَ لَوْ سَلَکَ النَّاسُ شِعْبًا، وَ سَلَکَتِ الْاَنْصَارُ شِعْبًا لَسَلَکْتُ شِعْبَ الْاَنْصَارِ، اَللّٰھُمَّ ارْحَمِ الْاَنْصَارَ، وَ أَبْنَاءَ الْاَنْصَارِ، وَ أَبْنَاءَ أَبْنَاءِ الْاَنْصَارِ---

''اے انصار! کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ لوگ اپنے گھروں میں مالِ غنیمت لے کر لوٹیں اور تم لوگ اپنے گھروں میں اللہ کا رسول لے کر جاؤ---

اس ذات کی قسم جس کے دستِ قدرت میں محمد (ﷺ) کی جان ہے، اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار کا ہی ایک فرد ہوتا، اگر لوگ کسی ایک راستے پر چلیں اور انصار کسی دوسری راہ کو اختیار کریں تو میں انصار کی راہ پر چلوں گا۔ اے اللہ! انصار پر رحم فرما، ان کی اولاد پر رحم فرما، ان کی اولاد کی اولاد پر رحم فرما''---

حضور ﷺ کا یہ خطاب سن کر انصار اس قدر روئے کہ ان کی داڑھیاں تر ہو گئیں اور بے ساختہ کہہ اٹھے:

رَضِیْنَا بِرَسُوْلِ اللّٰہِ قَسْمًا وَّ حَظًّا---[بخاری، کتاب المناقب، باب مناقب الانصار / سیرت ابن ہشام،۴:۴۲۲،۴۲۳]

''اس تقسیم اور نصیبے پر ہم راضی ہیں کہ ہمارے حصے میں رسول اللہ ﷺ آئے ہیں''---

سیرتِ رسولِ عربی (ﷺ) کا طالب علم یہ واقعہ پڑھ کر یقینی طور پر اس نتیجے پر پہنچے گا کہ انصارِ مدینہ رضی اللہ عنہم کے دلوں میں احساسِ محرومی کا جنم لینا فطری بات تھی۔ انہوں نے رسولِ اکرم ﷺ اور مہاجرینِ مکہ کو اپنے ہاں پناہ دے کر، اپنے مال، کھیت کھلیان، باغات اور گھر بار ان پر نثار کر کے ایثار کی لازوال داستان رقم کی تھی۔ بدر، احد، خندق، حدیبیہ، خیبر، فتح مکہ، حنین اور تبوک کے غزوات سے لے کر موتہ وغیرہ کے سیکڑوں چھوٹے بڑے سرایا میں اپنے مال و جان نچھاور کر کے اسلامی خدمات کے عمدہ نمونے قائم کیے تھے، لہٰذا اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیا جانا انہیں شاق گزرا تھا۔ ان کے جوشیلے نوجوان اس صورت حال پر

کبیدہ خاطر ہوئے۔ دوسری طرف رسول اللہ ﷺ اپنے ان جان نثاروں کی خدمات اور وفا شعاریوں کے ایک ایک لمحے اور ہر ہر واقعہ کے چشم دید گواہ تھے، اس لیے اس عظیم قائد ﷺ نے اپنے پیروؤں کی خدمات کو فراموش نہیں فرمایا۔

اہم بات یہ ہے کہ آپ ﷺ نے صرف اپنے اور اسلام کے احسانات کا ذکر کر کے انصار کو مطمئن نہیں کیا، بلکہ خود انہیں دعوت دی کہ تم بھی جواب میں اپنے احسانات کا ذکر کر سکتے ہو۔ حالانکہ انصار رضی اللہ عنہم کا، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احسان اور فضل و کرم کا بار بار اقرار کرنا صورتِ حال کو تسلی بخش قرار دینے کے لیے کافی سمجھا جا سکتا تھا، مگر قائد انسانیت، آقا و مولا، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی عظمت پر ہم، ہمارے ماں باپ اور ہماری اولادیں فدا ہوں کہ آپ ﷺ نے خود انصار کے وکیل بن کر اپنی ذات اور اسلام کے حوالے سے ان کے احسانات گنوا دیے۔ آخر میں اپنے فدا کاروں کو خوش خبری سنا دی کہ میں تمہیں اپنی معیت و رفاقت سے محروم نہیں کروں گا بلکہ خلد بریں میں جانے تک تمہارے ساتھ رہوں گا۔ چونکہ تمام پریشانیوں کا اصل منبع حضور ﷺ کی معیت کی برکات سے محرومی کا احساس تھا، اس لیے جب یہ نوید سنا دی گئی تو انصار کے دل باغ باغ ہو گئے۔

یہ ہے وہ اسوۂ حسنہ جو آج کے قائدین کے لیے مشعلِ راہ ہونا چاہیے۔ شکستہ دلوں کو تازگی عطا فرمانے کا سلیقہ تو کوئی رسول اللہ ﷺ سے سیکھے۔ حقیقت یہ ہے کہ تاریخِ انسانی میں، پیروؤں کے ساتھ قائد کے حسنِ سلوک اور عمدہ برتاؤ کا اس سے بہتر نمونہ میسر نہیں آ سکتا۔ عصر حاضر کے قائدین کا معاملہ اس کے برعکس ہے، کارکنوں کے جذبات سے کھیل کر، ان کے مال و جان کی قربانیوں کے ذریعے بام عروج تک پہنچنے والے روحانی، دینی اور سیاسی قائدین ترقی اور عروج پا کر اپنے پیروؤں کی خدمات کو فراموش کر دیا کرتے ہیں۔ ترقی اور عروج کو اپنا ذاتی کمال سمجھ کر اہلِ قافلہ کو نظر انداز کرنا ان کا شیوہ ہے۔ کاش، ہمارے قائدین رسول اللہ ﷺ کی سیرتِ طیبہ کا بار بار مطالعہ کریں اور اسوۂ حسنہ کی روشنی میں قیادت کا فریضہ انجام دیں۔ اے کاش!!!

[جاری ہے]

❀❀❀❀❀

# حضرت خواجہ نور محمد مہاروی رحمۃ اللہ علیہ

ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی

ذکرِ نورِ محمد آں ہمہ نور　　گر نویسم جہاں شود پرشور
سال ہا ماند در حریم حضور　　گشت مانند اسم خود ہمہ نور
کارش از فخرِ دیں گرامی شد　　وارثِ نسبتِ نظامی شد

قبلۂ عالم حضرت خواجہ نور محمد مہاروی رحمۃ اللہ علیہ کا شماران اکابرِ چشت میں ہوتا ہے، جن کی پرخلوص اور مسلسل جد و جہد سے چشتیہ سلسلہ کے انوار سیکڑوں یا ہزاروں نہیں، بلکہ لاکھوں انسانوں کے سینوں تک پہنچے۔ بلا شبہ حضرت شیخ العالم بابا فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے بعد پنجاب میں سلسلہ کی ترویج و اشاعت میں سب سے زیادہ کامیابی انہی کو حاصل ہوئی۔ آج تونسہ شریف، سیال شریف، احمد پور، چاچڑاں، مکھڈ، جلال پور، گولڑہ اور بھیرہ میں رشد و ہدایت کے جو چراغ روشن ہیں، ان سب میں نورِ محمد ہی کی ضیا ہے۔

## پیدائش اور خاندان

حضرت خواجہ صاحب مہاروی رحمۃ اللہ علیہ ۱۴/رمضان المبارک ۱۱۴۲ھ کو چوٹالہ میں پیدا ہوئے، یہ جگہ مہار شریف سے چار کوس کے فاصلے پر مشرق کی طرف ہے۔ والد ماجد کا نام ہندال تھا،

جو کھرل قوم سے تعلق رکھتے تھے۔ سلسلۂ نسب نوشیرواں عادل سے ملتا ہے۔

خواجہ صاحب مہاروی رحمۃ اللہ علیہ کا پیدائشی نام بابل تھا، جیسے حضرت شاہ فخر صاحب نے بدل کر نور محمد کر دیا تھا۔ خواجہ صاحب کے اجداد کھیتی باڑی کرتے اور مویشی چراتے تھے۔ ایک دفعہ شاہ فخر صاحب نے ان کے اجداد کے بارے میں پوچھا تو عرض کیا:

زراعت می کردند و مواشی می چرانیدید و می دوشیدند و بر مال مردمان می دویدند---[مناقب، ص۵۳]

یعنی ''میرے آباء و اجداد زراعت کرتے، مویشی چراتے اور ان کا دودھ دوہتے اور لوگوں کے مال پر دوڑتے تھے'' ---

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سن کر فرمایا:

''نور محمد! تجھ کو میں اپنا کام سکھاؤں گا'' ---[حدیقۃ الاخیار، ص۲۴]

## تعلیم و تدریس

خواجہ صاحب کی پیدائش کے بعد ان کے والد چوٹالہ سے مہار آ گئے اور وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ جب خواجہ صاحب پانچ برس کے ہوئے تو ان کے والد ماجد نے انھیں قرآن مجید پڑھنے کے لیے حافظ محمد مسعود کے پاس بھیج دیا، جو بڑے پرہیزگار اور متقی بزرگ تھے۔ یہیں خواجہ صاحب نے قرآنِ کریم حفظ کیا۔

ایک روز خواجہ صاحب، حافظ مسعود کے مدرسے میں سبق پڑھ رہے تھے کہ ایک بزرگ شیخ احمد دودی والا وہاں آئے اور خواجہ صاحب کو دیکھ کر فرمایا:

''سبحان اللہ! ایک زمانہ آئے گا کہ اس بچے کے در پر بادشاہ سر رکھیں گے'' ---

پھر ان کے استاذ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''زمانۂ مستقبل میں ہماری اور تمہاری نسلوں کی لاج انہی سے ہوگی'' ---

حافظ مسعود کے مدرسے سے فارغ ہو کر وہ موضع بڈھیراں تشریف لے گئے، وہاں کچھ عرصہ تحصیلِ علوم کے بعد موضع بیلا نہ آئے، یہاں شیخ احمد کھوکھر سے چند کتابیں پڑھیں، اس کے بعد ڈیرہ غازی خاں چلے آئے، جہاں شرح ملا تک علم حاصل کیا۔

ڈیرہ غازی خان میں کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد خواجہ صاحب لاہور آ گئے۔

تاریخ مشائخِ چشت میں لکھا ہے کہ لاہور میں خواجہ صاحب سخت تکلیفیں اٹھاتے اور علم حاصل کرتے تھے، انہیں اکثر اوقات فاقہ کرنا پڑتا، لیکن علم کے ذوق وشوق میں کبھی کمی نہ آئی۔

## دہلی میں آمد

لاہور سے خواجہ صاحب تکمیلِ تعلیم کے لیے دہلی آئے، اس زمانے میں وہاں نواب غازی الدین خان کے مدرسے کی بڑی شہرت تھی، آپ اسی مدرسے میں داخل ہو گئے اور حافظ برخوردار جی سے کافیہ پڑھنا شروع کیا۔ حافظ صاحب چشتیہ سلسلہ میں بیعت تھے اور خواجہ صاحب پر خاص التفات فرماتے تھے، ہمیشہ اپنے ساتھ ہی انہیں کھانا کھلاتے۔

خواجہ صاحب ان کے بارے میں فرمایا کرتے تھے:

''میاں برخوردار جی، مردِ خوب وصاحبِ نسبت بودند'' ---[مناقب، ص ۵۷]

ابھی خواجہ صاحب قطبی پڑھ رہے تھے کہ حافظ برخوردار جی کو دہلی سے باہر اپنے گھر جانا پڑا، جس سے تعلیم کا یہ سلسلہ یک لخت منقطع ہو گیا۔

## شاہ فخر صاحب کی خدمت میں

خواجہ صاحب کو اپنی تعلیم منقطع ہو جانے کا بڑا صدمہ تھا، ایک روز وہ ایک حوض کے کنارے نہایت اداس اور غمگین بیٹھے تھے کہ ایک درویش حافظ محمد صالح بھیروی نے اداسی کا سبب دریافت کیا۔ خواجہ صاحب نے کہا:

''استاذ آں مشفق ورفیق وطن رفتند تسکین خواندن نمی شود'' ---

یہ سن کہ حافظ صاحب نے انھیں تسلی دی اور کہا فکر نہ کرو، حال ہی میں دکن سے ایک بڑے عالم پیرزادے یہاں آئے ہیں، وہ علم بھی پڑھاتے ہیں، کھانا بھی کھلاتے ہیں اور پہننے کے لیے کپڑے بھی دیتے ہیں، تم ان کے پاس چلے جاؤ۔

اگلے روز دونوں حضرت شاہ فخر صاحب کی قیام گاہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جب حویلی کے دروازے پر پہنچے تو ملازم نے بتایا کہ شاہ صاحب خانم کے بازار تشریف لے گئے ہیں۔ دوسرے دن نماز ظہر کے بعد خواجہ صاحب اکیلے ہی شاہ صاحب سے ملنے کے لیے روانہ ہوئے۔ حویلی کے دروازے پر پہنچے تو وہاں ایک دربان کو بیٹھا ہوا پایا۔ کچھ دیر وہیں کھڑے سوچتے رہے، پھر ہمت کر کے اندر داخل ہوئے، حویلی کے اندر ایک اور دروازہ تھا، اس دروازے کے مقابل

ایک دالان تھا، کمرے میں ایک تخت پر صاف چاندنی بچھی ہوئی تھی، گاؤ تکیہ لگا تھا اور شاہ صاحب تشریف فرما تھے۔

خواجہ صاحب کا یہ حال تھا کہ تمام قمیص پھٹی ہوئی، ایک بوسیدہ چادر جسم پر لپٹی ہوئی اور سر کے بال بڑھے ہوئے تھے۔ کبھی اپنی حالت کو دیکھتے تھے اور کبھی دالان کی طرف، اندر قدم رکھنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ اچانک شاہ صاحب کی نظران پر پڑی، فوراً اپنے پاس بلایا۔ جب خواجہ صاحب قریب آئے تو فوراً تخت سے اتر کر کھڑے ہو گئے، معانقہ کیا اور اس محبت سے ملے، گویا مدت کے بچھڑے گلے مل رہے ہیں۔ پھر خواجہ صاحب کا ہاتھ پکڑ کر اپنے قریب تخت پر بٹھالیا اور بڑی محبت سے پوچھا: تمہارا وطن کہاں ہے؟

جواب دیا: نواحِ پاک پٹن---

پاک پٹن کا نام سنتے ہی شاہ صاحب کے چہرے پر خوشی کے آثار نمایاں ہو گئے، دریافت فرمایا: یہاں کیسے آئے ہو؟

عرض کیا: میں نے سنا ہے، حضور تعلیم دیتے ہیں، میں بھی کرم کا امیدوار ہوں۔

پوچھا: پہلے کہاں پڑھتے تھے؟ عرض کیا: حافظ برخوردار جی کے پاس۔

فرمایا: کچھ عرصہ سے ہمارا پڑھانا موقوف ہے، تم فی الحال ان ہی سے پڑھ لو۔ عرض کیا:

عرصہ مابین بسیار است و مسافت بعید وقت ما دریں آمد و رفت ضائع خواہد شد---

یہ سن کر شاہ صاحب نے تبسم فرمایا اور یہ شعر پڑھا:

ما برائے وصل کردن آمدیم     نے برائے فصل کردن آمدیم

اور فرمایا: خیر! ہمارے پاس پڑھ لیا کرو۔

اب خواجہ صاحب طالب علم کی حیثیت میں شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہونے لگے، اب تک وہ چھوٹے چھوٹے مدرسوں میں پڑھتے تھے، شاہ صاحب کے تبحرِ علمی کو دیکھ کر حیرت زدہ ہو گئے اور بے اختیار پکار اٹھے:

سبحان اللہ! بحر علوم بودند---

خواجہ صاحب نے شاہ صاحب سے قطبی پڑھنا شروع کی اور ابھی وہ ختم نہ ہوئی تھی کہ

شاہ صاحب نے فرمایا:

''تم علم ظاہری میں مزید وقت ضائع نہ کرو، جتنا پڑھ لیا ہے، وہ ضرورت کے لیے کافی ہے، اب اس علم میں مشغول ہو جاؤ جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے تمھیں پیدا کیا ہے''---

## بیعت

شاہ فخر صاحب کے دہلی تشریف لانے کے بعد خواجہ صاحب پہلے شخص تھے، جنھوں نے ان کے دستِ حق پرست پر بیعت کا شرف حاصل کیا۔ خواجہ صاحب نے مرید ہونے کی درخواست کی تو شاہ صاحب نے فرمایا، پہلے استخارہ کرلو، جیسے اشارہ ہوگا، ویسے کیا جائے گا۔

خواجہ صاحب نے استخارہ کیا، خواب میں دیکھا کہ کھانے کا طبق ان کے ہاتھ پر ہے اور شاہ فخر صاحب کا جبہ ان کی گردن پر پڑا ہے۔ شاہ صاحب آگے آگے جا رہے ہیں اور وہ ان کے پیچھے چل رہے ہیں۔

صبح کو یہ خواب شاہ فخر صاحب سے بیان کیا، فرمایا: چند روز استغفار پڑھو، پھر حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوبِ الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کے عرس مبارک پر حضرت خواجہ صاحب کے مزار پر انوار پر لے جا کر ان کو مرید کرلیا۔

## پاک پٹن اور مہار کا سفر

بیعت کرنے کے کچھ عرصہ بعد شاہ صاحب نے پاک پٹن شریف کا قصد کیا۔ خواجہ صاحب بھی اس سفر میں ان کے ہمراہ تھے۔ پاک پٹن پہنچ کر انہوں نے خواجہ صاحب سے فرمایا کہ تم مہار شریف جا کر اپنی والدہ سے مل آؤ۔

جب مہار شریف پہنچے تو ان کا حلیہ اور لباس بالکل درویشانہ تھا، سب سے پہلے وہ اپنے استاذ حافظ مسعود کی خدمت میں حاضر ہوئے، ابھی وہیں بیٹھے تھے کہ ان کی والدہ سے کسی نے جا کر کہا کہ دہلی سے ایک درویش آیا ہے، جو مسجد میں بیٹھا ہے، تم اس سے جا کر اپنے بیٹے کے متعلق دریافت کرلو۔ خواجہ صاحب کی والدہ نقاب اوڑھ کر مسجد میں آئیں اور اپنے بیٹے کا حال دریافت کیا۔ حافظ صاحب کو ہنسی آ گئی۔ خواجہ صاحب کو علم ہوا تو بے اختیار ماں کے قدموں میں گر پڑے۔

مہار میں آٹھ روز قیام کے بعد خواجہ صاحب نے روانگی کی اجازت مانگی۔ والدین نے مجبوراً اجازت دے دی، پاک پتن شریف آئے تو شاہ فخر صاحب نے انہیں ''برج نظامی'' میں عبادت کرنے کا حکم دیا۔ اس زمانے میں شاہ صاحب کے پاس جو آدمی بھی مرید ہونے کے لیے آتا، وہ اسے خواجہ صاحب کے پاس بھیج دیتے۔ اس طرح سیکڑوں اشخاص خواجہ صاحب کے حلقۂ متوسلین میں شامل ہو گئے۔

عرس شریف ختم ہونے کے بعد شاہ صاحب نے خواجہ صاحب سے کہا:

''ابھی یہاں میرا ارادہ دو مہینے مزید قیام کرنے کا ہے، اس لیے تم اپنی والدہ ماجدہ کی خدمت میں ہو آؤ''---

خواجہ صاحب پھر مہار شریف گئے اور دو ماہ کے بعد جب پاک پتن شریف تشریف لائے تو ان کے ساتھ مہار شریف کا ایک قافلہ بھی تھا، جو شاہ صاحب سے بیعت ہونے آیا تھا۔ شاہ صاحب نے سب کو بیعت فرمایا اور چند روز بعد خواجہ صاحب کے ہمراہ دہلی واپس آ گئے۔

## مہار شریف میں قیام کی ہدایت

خواجہ صاحب باطنی علوم کی تکمیل کر چکے تو شاہ صاحب نے فرمایا:

''اے نور محمد! خلق را با تو کار خواہد بود''---

یہ سن کر آپ بڑے حیران ہوئے۔ عرض کیا:

میں ایک کم ترین پنجابی ہوں، کس طرح اس اعلیٰ مرتبے کے لائق سمجھا گیا؟---

چند روز بعد شاہ صاحب نے خلافت عطا فرما کر انھیں مہار شریف قیام کرنے کا حکم دیا۔ رخصت کرتے وقت یہ پانچ وصیتیں فرمائیں:

1. میری وفات کی خبر تمھیں پہنچے تو واپس دہلی نہ آنا۔
2. اس ملک میں ہندوستانی لباس نہ پہننا۔
3. کوئی شخص تمھیں تکلیف پہنچائے تو درگزر کرنا۔
4. علماء، سادات اور بابا صاحب کی اولاد کی تعظیم و تکریم کرنا۔
5. ایک امیر تمھارے دامنِ لطف سے وابستہ ہوگا، اس کی نگہداشت کرنا۔

کہتے ہیں خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مہار شریف چلے جانے کے بعد شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اکثر یہ شعر پڑھا کرتے:

تن مٹکے من چھپرنا سرت ملوؤں ہار
مکھن لے گیا پنجابی ، چھاچھ پیو سنسار

مہار شریف آ کر خواجہ صاحب نے مسند ارشاد بچھائی، پھر تو یہ حال ہوا کہ لوگ جوق در جوق ان کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ نافع السالکین میں لکھا ہے:

ہزاراں گروہِ مرد ماں می آیند و زیارت می کنند---[ص ۸]

تاریخ مشائخِ چشت میں ہے کہ خواجہ صاحب کی صحبت میں اس قدر کشش اور تعلیم میں اس قدر تاثیر تھی کہ جو وہاں پہنچ جاتا متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا تھا اور جو ان کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو جاتا، اس کی زندگی میں حیرت انگیز تغیر واقع ہو جاتا۔

حضرت شاہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے:

''ان کی مجلس میں عجیب تاثیر تھی، جو ان سے بیعت کرتا تھا، اس کی دنیا بدل جاتی تھی''---[نافع السالکین]

ہر شخص سے اس کی وضع، استعداد، لیاقت اور مذاق کے مطابق گفتگو فرماتے، گویا وہ ایسے طبیب کی مانند تھے جو مریض کے مزاج اور مرض کی نوعیت کو دیکھ کر دوائیں دیتا اور علاج کرتا ہے۔ اتباعِ شریعت پر بڑا زور دیتے تھے، مریدوں سے کہتے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ گرامی کو اپنے لیے نمونہ بناؤ۔

## بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے محبت

خواجہ صاحب کو حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ سے بڑی محبت تھی۔ ہمیشہ جمعہ کی نماز پاک پٹن شریف میں ادا کرتے تھے۔ آخر عمر میں جب مزاج گرامی میں ضعف پیدا ہو گیا تو حضرت بابا صاحب کے ایماء پر نماز حضرت تاج سرور میں پڑھنے لگے۔[حدیقۃ الاخیار، ص ۴۱]

حضرت تاج سرور، بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے ہیں۔

## مرشد کی نظر عنایت

مولانا غلام سرور لاہوری، خزینۃ الاصفیاء میں لکھتے ہیں کہ حضرت مولانا شاہ فخر الدین کی جو عنایتِ بے غایت اور الطافِ بے قیاس ان پر تھا، اپنے خلفاء

میں سے کسی پر نہ تھا---[ج ۱، ص ۵۰۶]

شاہ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ نور محمد نے تمام عمر میری مرضی کے خلاف کوئی کام کیا اور نہ کبھی کوئی تکلیف پہنچائی۔

شاہ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ اگر یہ پنجابی میرے پاس نہ آتا تو میں دل میں حسرت لے کر دنیا سے جاتا۔ ایک مرتبہ ان کی مجلس میں حضرت سید رسول نما کا ذکر ہو رہا تھا۔ فرمانے لگے:

''حق تعالیٰ نے ہمیں جو پنجابی مرید دیا ہے، وہ خدا نما ہے''---

خواجہ صاحب کی پیر سے محبت کا یہ عالم تھا کہ جب تک زندہ رہے، چھ مہینے مہار میں رہتے تھے اور چھ مہینے دہلی میں۔

## علالت اور وصال

خواجہ صاحب کو اپنے پیرو مرشد سے غایت درجہ عشق تھا، ۱۱۹۹ھ میں حضرت شاہ فخر صاحب کا وصال ہوا تو ان پر اس کا بے حد اثر ہوا۔ شاہ صاحب کے وصال کے بعد وہ چھ برس زندہ رہے، مگر اس طرح کہ طبیعت کبھی بحال اور خوش نہ رہی۔ مرشد کے وصال کے فوراً بعد ان کو ''کاست بدنی،، کی شکایت ہوگئی۔ اسی اثنا میں ان کے عزیز مرید اور خلیفہ حضرت نور محمد نارووالہ نے وصال فرمایا۔ پھر تو یہ صدمہ دو چند ہو گیا۔

ان کے وصال کی خبر سنی تو ایک آہِ سرد کھینچی اور یہ شعر پڑھا:

عرفی چہ نشستہ کہ یاراں رفتند

ماندی تو پیادہ و شہ سواراں رفتند

جب حالت زیادہ نازک ہوئی تو حضرت خواجہ محمد عاقل رحمۃ اللہ علیہ نے لوگوں کے اصرار پر پوچھا کہ آپ کا مزار کہاں بنایا جائے۔ ارشاد فرمایا:

''میں غیب کا جاننے والا نہیں ہوں، حق تعالیٰ ہی کو معلوم ہے کہ میں کہاں مروں گا''---

آخر ۳/ذی الحجہ ۱۲۰۵ھ کو وصال فرمایا، نواب غازی الدین خاں نے تاریخ وفات کہی:

حیف واویلا جہاں بے نور گشت

۱ ۲ ۰ ۵ ھ

مزار شریف تاج سرور میں ہے، جواب چشتیاں شریف کے نام سے موسوم ہے اور زیارت گاہِ خلائق ہے۔

## عادات و خصائل

حدیقۃ الاخیار میں ہے کہ حضرت خواجہ صاحب وضو کرتے وقت پانی بہت ہی احتیاط سے استعمال فرماتے تھے، ہمیشہ وضو خود کرتے، کسی سے مدد نہ لیتے۔ ہر وضو کے ساتھ مسواک ضرور فرماتے، وضو کے بعد تولیہ استعمال کرتے۔ ظہر اور عشاء کے وضو کے بعد ریش مبارک میں شانہ فرماتے۔ شانہ کرتے وقت سورہ الم نشرح پڑھتے اور فرماتے:

یہ فراخیٔ رزق کے لیے بہت مفید ہے---

نماز ہمیشہ باجماعت ادا فرماتے، تعدیلِ ارکان اور آدابِ نماز کا بہت خیال رکھتے، حتی کہ مستحب بھی ترک نہ کرتے تھے۔ بعد نماز عشاء ہمیشہ سرمہ لگاتے، تین سلائی ایک آنکھ میں اور تین سلائی دوسری آنکھ میں۔ کھانا کم کھاتے تھے، اکثر گندم کی روٹی شوربے کے ساتھ کھاتے تھے۔ مونگ کی دال اور شلغم بھی پسند کرتے۔ ہر لقمہ پر بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم پڑھتے تھے۔ دن کو روٹی پر گھی ڈال کر چھاچھ سے کھاتے۔ دودھ نصف کٹورہ سے زیادہ نہ پیتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے:

''قلتِ طعام، قلتِ کلام اور صحیح گفتگو انسان کے لیے نہایت ضروری ہے''---

کھانے سے فارغ ہو کر ہاتھ دھوتے اور تولیہ سے صاف کرتے، دانتوں کا خلال کرتے اور دعا پڑھتے۔ ہمیشہ سادہ لباس زیبِ تن فرماتے، سر پر کلاہِ قادری، جس کے کنارے پر مغزی لگی ہوئی ہوتی، پہنتے تھے۔ سفر میں دستار باندھتے۔ فرمایا کرتے تھے:

''مجھے میرے شیخ سے فرمان ہوا تھا کہ لباس اور غذا لطیف استعمال کرنا''---

چونکہ ہر معاملہ میں سنتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا خیال رکھتے تھے، اس لیے عمر شریف بھی سنت کے مطابق تریسٹھ برس پائی۔ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ

[بہ شکریہ ماہنامہ ضیائے حرم، لاہور، شمس العارفین نمبر، جنوری ۱۹۸۰ء]

❀❀❀❀❀

# علامۃ الدھر مولانا عبدالعزیز پرہاروی رحمۃ اللہ علیہ

## علامہ عبدالحکیم شرف قادری رحمۃ اللہ علیہ

● ......بیسیوں کتابوں کے مصنف، بحرالعلوم، سلطان العلماء، علامۃ الوریٰ، امام المتکلمین علامہ پرہاروی کا وصال صرف ۳۲ رسال کی عمر میں ہوا---

● ......آپ کا عرس ۸-۹ رذی الحجہ کو ہوتا ہے---

علامۃ الوریٰ، حاملِ لواءِ شریعت مولانا الحافظ عبدالعزیز بن محمد بن حامد، تقریباً ۱۲۰۹ھ/ ۹۴-۱۷۹۴ء میں ایک چھوٹی سی بستی ''پرہار'' مضافات کوٹ ادو (مظفرگڑھ) میں پیدا ہوئے۔ قرآن مجید والد ماجد سے حفظ کیا، پھر ملتان تشریف لائے اور حضرت خواجہ حافظ محمد جمال چشتی ملتانی رحمۃ اللہ علیہ (خلیفہ مجاز حضرت خواجہ نور محمد مہاروی رضی اللہ عنہ) سے علوم وفنون کا استفادہ کیا۔ دورانِ تعلیم دروازہ بند کر کے مصروفِ مطالعہ تھے کہ کسی نے دروازہ پر دستک دی۔ آپ نے فرمایا: میں مطالعے میں مصروف ہوں، مجھے فرصت نہیں ہے۔ آنے والے نے کہا، میں خضر ہوں، آپ نے فرمایا: اگر آپ خضر (علیہ السلام) ہیں تو آپ دروازہ کھولے بغیر بھی تشریف لانے پر قدرت رکھتے ہیں، چنانچہ حضرت خضر علیہ السلام اندر تشریف لے آئے اور آپ کے کندھوں کے درمیان دستِ اقدس رکھا، اللہ تعالیٰ کے بے پایاں فضل سے آپ کا سینہ علم وفضل اور روحانیت کا سمندر بن گیا۔[۱]

آپ خود فرماتے ہیں کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے ۷۰/۲ علوم میں مہارتِ کاملہ عطا فرمائی ہے، جب کہ کسبی طور پر اس کا عشر عشیر بھی حاصل نہیں ہوا، یہ سب کچھ عطائے ربانی ہے۔آپ کے بیان کے مطابق انگریزوں کو علم اسطرنومیا کا بے حد اشتیاق تھا، لیکن تلاشِ بسیار کے باوجود انہیں یہ علم پڑھانے والا کوئی نہ مل سکا، جب کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس علم میں جلیل القدر کتاب تصنیف فرمائی تھی۔آپ کے الفاظ میں:

یتحیر فیه ابرخوس و یذعن لبراهینه بطلیموس---[۲]

''ابرخوس بھی اس کتاب کو دیکھ کر انگشت بدنداں رہ جاتا اور بطلیموس اس کے دلائل کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیتا''---

حضرت علامہ ظاہری اور باطنی علوم میں یگانۂ روزگار تھے،علم وفضل کی بدولت اغنیاء اور اہلِ دنیا کو خاطر میں نہ لاتے، جب کہ فقراء و مساکین کا علاج مفت کرتے۔ایک دفعہ مظفر خان والیٔ ملتان نے آپ کو علاج کے لیے طلب کیا،تو آپ نے سختی سے انکار کر دیا۔[۳]

علامہ کا اشہبِ قلم نہایت تیز رفتار تھا، کتاب ''زلیخا'' دو جز سے کم، پوری کتاب ایک دن میں لکھ ڈالی تھی۔آپ نے تقریباً ہر فن میں بلند پایہ کتابیں لکھیں، لیکن ابھی تک اکثر و بیشتر کتب زیورِ طبع سے آراستہ نہیں ہو سکیں، چند تصانیف کے نام یہ ہیں:

① ......نبراس، شرح شرح عقائد ② ......کوثر النبی (اصول حدیث میں)

③ ...... السر المکتوم ما اخفاہ المتقدمون (علم اوفاق و تکسیر کے بیان میں)

④ ...... الناھیة عن ذم معاویة (فضائل امیر معاویہ رضی اللہ عنہ)

⑤ ...... نعم الوجیز (علم بیان اور بدیع میں)

⑥ ...... الصمصام (اصول تفسیر میں)

⑦ ...... مرام الکلام فی عقائد الاسلام (یہ کتابیں راقم کی نظر سے گزر چکی ہیں)

⑧ ...... زمرد اخضر ⑨ ...... یاقوت احمر

⑩ ...... اکسیر (علم طب میں) ⑪ ...... سر السماء (علم ہیئت میں)

⑫ ......لوحِ محفوظ (دو جلد)، (تفسیر عربی)

قارئین کے لیے یہ امر باعثِ حیرت ہو گا کہ علم و فضل کا یہ آفتاب صرف تیس بتیس سال کی عمر میں ۱۲۳۹ھ میں روپوش ہو گیا۔[۴]

کاش تاریخ کا کوئی محقق اس نادرِ روزگار شخصیت پر ریسرچ کرتا اور ان کی جلالتِ علمی کو آشکار کرتا تو بڑے بڑے سکالران کے سامنے بونے نظر آتے۔ ان الفاظ سے کسی کی تنقیص مقصود نہیں، بلکہ اہلِ تحقیق کی توجہ اس فاضلِ اجل کی طرف مبذول کرانا مقصود ہے، جو تحقیق وتدقیق میں متقدمین اہلِ فن سے کہیں آگے نظر آتا ہے۔

## حواشی

۱......غلام مہر علی مولانا، الیواقیت المھریۃ، ص۱۵۱

۲......عبدالعزیز پرہاروی، علامہ، کوثر النبی، مکتبہ قاسمیہ، ملتان، ج۱، ص۱۰۵

۳......الیواقیت المھریۃ، ص۱۵۲

۴...... برخوردار ملتانی، مولانا، حاشیہ نبراس، مطبوعہ لاہور، ص۳

❀❀❀❀❀

''علامہ پرہاروی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''النبراس'' شرح شرح عقائد پوری اسلامی دنیا میں پڑھی اور پڑھائی جاتی ہے۔ عثمانیہ یونی ورسٹی، حیدرآباد دکن کے فاضل معلم علامہ سید مناظر احسن گیلانی اپنی محسن کتابوں کا ذکر کرتے ہوئے ''النبراس'' کے بارے میں یوں رقم طراز ہیں:

''میں اس کا اعتراف کرتا ہوں کہ علم کلام کا تصوف کے نظری حصے سے جو تعلق ہے سب سے پہلے اس کا سراغ مجھے ''نبراس'' ہی کے چراغ کی روشنی میں ملا''---

شاعرِ مشرق علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے فلکیات (Astronomy) کے متعلق رسالے ''سر السماء'' کے حصول کے لیے مختلف مشاہیر علم کو سات سے زائد خطوط لکھے۔ ''تاریخ ملتان ذیشان'' کے مطابق آپ کی تصانیف کی تعداد تین سو اور ''تاریخ فقہائے ملتان'' کے مطابق آپ کی تصانیف کی تعداد دو سو ہے۔ بحوالہ تاریخِ ملتان ایسے قرائنی شواہد موجود ہیں کہ آپ کی بعض کتابیں یورپ میں پڑھائی جاتی رہیں۔ یہ ناقابلِ تردید تاریخی حقیقت ہے کہ جید اہلِ علم ہمیشہ آپ کے علمی کارناموں کے مداح اور معترف رہے''--- [https://ur.wikipedia.org]

❀❀❀❀❀

# نکبہ فلسطین

تحریر: الشیخ السید محمد نِمر الخطیب

انتخاب وترجمہ وحواشی: عابد حسین شاہ پیرزادہ

اہلِ فلسطین اور اسلامی دنیا ہر سال ۱۵؍مئی کو بیسویں صدی کے وسط میں ارضِ فلسطین پر ٹوٹنے والی قیامتِ صغریٰ کی یاد ''یوم نکبہ'' نام سے مناتے ہیں اور فلسطینی مہاجرین اپنے کھوئے ہوئے وطن وسرزمین پر واپسی کے عزم واِرادوں کو تازہ کرتے، نیز اقوام عالم کو اس مقصد کے حصول تک اپنی جدوجہد جاری رکھنے کا پیغام پہنچاتے ہیں۔ یہ مضمون اسی مناسبت سے ''نورالحبیب'' کے صفحات پر پیش ہے، جو تاخیر سے موصول ہونے پر حسبِ موقع مئی کے شمارے میں پیش نہیں کیا جاسکا۔[ادارہ]

بیسویں صدی کے آغاز تک خطۂ فلسطین پر مسلمان، عیسائی، یہودی ساتھ ساتھ رہ رہے تھے، پھر اس علاقہ سے عظیم الشان اسلامی سلطنت عثمانیہ کا خاتمہ، برطانوی استعمار کا تسلط اور غیر مسلم قوتوں کی سازش ومنصوبہ کے تحت ۱۹۴۸ء میں یہودیوں کے لیے الگ وطن کے نام پر صہیونی ریاست اسرائیل کے قیام کی شکل میں اہلِ فلسطین پر جو بڑی آفت ٹوٹ پڑی اور مصائب وآلام کا نہ رکنے والا سلسلہ شروع ہوا۔ لاکھوں باشندے گھر بار، کھیت کھلیان، مساجد ومقابر چھوڑ کر جبری ہجرت اور مہاجر کیمپوں، خیمہ بستیوں میں پناہ گزیں ہوئے۔ ہجرت، قتل وبربادی اور انہدام آثار کے دسمبر ۱۹۴۷ء تا جنوری ۱۹۴۹ء کے دوران پیش آنے والے واقعات کو ''نَکبہ فلسطین'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور فلسطینی مہاجرین کی آج تیسری نسل دنیا بھر میں ۱۵؍مئی کو ہر سال ''یوم نَکبہ'' منا کر وطن واپس جانے کا عہد تازہ کرتے اور

اس کے لیے جدوجہد جاری رکھنے کے عزم کو تقویت کا اظہار کرتے ہیں۔

۱۹۴۷ء سے جاری مسئلۂ فلسطین پر، مختلف جہات سے عربی میں سیکڑوں کتب اور ہزاروں مضامینِ نثر و نظم سامنے آچکے ہیں۔ اور اسی خطہ کے باشندے شیخ سید محمد نمر الخطیب کی کتاب کی یہ اہمیت وانفرادیت ہے کہ صہیونی ریاست کے قیام کے موقع پر خطۂ فلسطین پر تباہی و بربادی کے پیش آنے والے واقعات والمیہ پر اوّلین تحریر ہے۔

شیخ سید محمد نمر الخطیب کی یہ کتاب پہلی بار ''من اثر النکبة'' نام سے ۱۳۷۰ھ/۱۹۵۱ء میں دمشق سے شائع ہوئی۔ پھر مصنف نے اضافات کیے اور یہ دوسری بار نئے نام ''احداث النکبة اَو نکبة فلسطین'' سے ۱۳۸۷ھ/ ۱۹۶۷ء میں دار الکتب الحیاۃ بیروت نے ۳۶۸ صفحات پر شائع کی، جو پیشِ نظر ہے۔ مصنف شیخ سید محمد نمر الخطیب، القدس الشریف کے بعد خطۂ فلسطین کے دوسرے بڑے شہر حَیفا [۱] میں پیدا ہوئے۔ وہ عالم ومجاہد، ادیب وشاعر، مدرس وخطیب اور سیاسی قائد تھے۔ وہ سقوطِ فلسطین کے ایام میں اسی شہر میں موجود تھے اور اس کتاب میں آپ بیتی و دیگر چشم دید واقعات اور برطانوی استعمار کی سازشوں، صہیونی بربریت کے افعال کو مؤثر انداز واسلوب کے ذریعے بیرونی دنیا کو آگاہ کیا۔

احداث النکبة کی اس اشاعت پر کویت کے مشہور عالم وصوفی مرشد نیز سابق وزیر شیخ سید یوسف بن ہاشم الرفاعی [۲] اور حَیفا کے اہم صحافی عاطف نور اللہ [۳] کی تقریظات درج ہیں۔ آغاز میں ایک صفحہ پر مصنف کی تصویر اور نیچے وطن کے حسبِ حال یہ دو اشعار درج ہیں۔ صفحہ ۱۳۷/ پر یہی اشعار پھر سے مذکور ہیں، جہاں بتایا کہ یہ میرے موزوں کردہ طویل قصیدہ میں سے ہیں:

یا بلادی فداء (''قدسك'') نفسی و حـرامٌ عَـلـیّ غَیْـرَ هَـوَاك
دلّـهَ الناس حبَّ سلمی و سعدی و غـرامـی بـاَن اَمـوتَ فِـدَاك

بقولِ مصنف اس کتاب کی بنیاد و اصل بیس اوراق سے بھی کم وہ رپورٹ ہے، جو میں نے ایک سرکاری وفد کو فلسطین کی صورتِ حال ملاحظہ کرانے کے بعد تیار کر کے شام کے صدر شکری قوتلی [۴] کو پیش کی تھی اور یہ مسئلہ فلسطین کے متعلق کسی سرکاری ادارے وحکومت اور عرب لیگ [۵] تک پہنچنے والی پہلی باضابطہ رپورٹ تھی، جو منظر عام پر آنے سے سرکاری حلقوں، تقریبات، عوام، اہم شخصیات اور اسلامی دنیا میں توجہ کا مرکز وسبب بنی۔ بعدازاں مصنف نے اسی میں اضافہ کر کے کتابی شکل دی۔ اس میں صہیونی ریاست کے قیام کے ایام میں فلسطین کے

شجر وحجر، شہر وگاؤں میں برپا ہونے والی قیامتِ صغریٰ، مسلمان بچوں، بوڑھوں، مرد وخواتین، جوان ومعذور لاکھوں مہاجرین کی حالتِ زار، راہ چلتے قافلوں کے آنکھوں دیکھے مناظر سے متعلق ۷۵ سے زائد تصاویر بھی متعلقہ مقامات پر دی گئی ہیں۔ آئندہ صفحات پر اس کتاب کے منتخب اقتباسات کا ترجمہ اور اس پر راقم سطور (عابد حسین) کے حواشی اردو قارئین کی نذر ہیں۔

مصنف کے بقول قضیہ فلسطین، نہ صرف تمام عربوں، بلکہ مسلمانانِ عالم کا مسئلہ ہے۔ یہاں قبلۂ اوّل واقع اور معجزۂ اسراء ومعراج کا حصہ ہے۔ القدس[۶] سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی قیام گاہ ووطن رہا۔ یہاں مسجد اقصیٰ واقع ہے۔ عیسائیوں کا سب سے مقدس مقام وگرجا کنیسہ القیامہ[۷] اور ناصرہ[۸]، بیتِ لحم[۹]، الخلیل[۱۰] جیسے مقدسات اسی خطہ میں ہیں۔ اور یہ کہنا درست و بجا ہوگا کہ یہ خطہ عرب دنیا کی چابی و دروازہ ہے۔ اس ارضِ مقدس پر اسرائیلی ریاست کا قیام و وجود ستر ملین عربوں اور دنیا بھر کے چار سو ملین مسلمانوں کے حلق میں کانٹے کی مانند ہے، لہٰذا ہم سب پر واجب ہے کہ اس مسئلہ کو اجاگر کریں اور عبرت پکڑیں۔ اسی جذبے نے مجھے یہ کتاب لکھنے پر ابھارا۔

صہیونی تحریک کی پہلی کانفرنس ۱۸۹۷ء میں یورپ میں ہوئی اور ۱۹۱۷ء میں معاہدہ بالفور طے پایا، جو برطانوی وزیر خارجہ لارڈ بالفور کے دستخطوں سے انجام پایا اور انہی سے موسوم ہوا، جس کی رُو سے ارضِ فلسطین پر یہودی ریاست کے قیام پر صہیونی زعماء اور برطانوی استعمار متفق ومتحد ہوئے۔ پھر ۱۹۴۸ء میں فلسطین کی تقسیم اور اسرائیل کے قیام کے بعد عرب لیگ نے مجوزہ فلسطینی ریاست کی حکومت کا اعلان کر دیا۔ ۱۹۲۰ء سے قبل لفظِ فلسطین اس پس منظر میں کسی نے نہیں سنا تھا، بلکہ اس علاقہ کو سوریا اور شام کہا جاتا تھا۔ قبل ازیں فلسطین سے مراد جنوبی شام تھا اور جب معاہدہ بالفور انجام پایا، جس نے ایک نئے مسئلہ وفتنہ کی بنیاد رکھی، تب یہ مسئلہ فلسطین کہلانے لگا۔

جب معاہدہ بالفور طے پایا تو مَیں حیفا میں تھا۔ تبھی سے اس خطہ پر آگ کے شعلے بھڑکنے لگے اور یہ شہر جہنم کا منظر پیش کرنے لگا۔ رات کو کسی مسلمان کا گھر سے باہر نکلنا تو خواب وخیال بن کر رہ گیا، دن کو بھی یہودی کی گولی تاک میں رہتی۔

بیس اپریل ۱۹۴۸ء کی بات ہے، جب یہودیوں نے حیفا کی سڑکوں پر موت عام کر دی اور پھر وہ دن تو مَیں کبھی بھول نہیں سکتا، جب دشمنانِ انسانیت نے مرد وعورت اور بچے سب کو جمع کیا، پھر ان میں سے مضبوط جسم وقد کاٹھ کے چالیس جوان چن کر الگ کر لیے اور

باقی تمام مجمع کو چار چار کی ٹولیوں میں الگ لے جا کر قتل کرنا شروع کر دیا۔ پھر جوانوں کے اس گروہ کو لگایا کہ ساتھ ساتھ لاشیں اٹھا کر قبرستان پہنچائیں، جہاں ایک بڑا گڑھا تیار تھا، جس میں لاشیں پھینکی جا رہی تھیں۔ میں بھی مجمع میں اپنے انجام و باری کا منتظر تھا کہ اچانک باقی ماندہ افراد کو گاڑیوں میں سوار ہونے کا حکم دیا گیا۔ تب کسی کو خبر نہ رہی کہ وہاں اکٹھی کی گئی مسلمان عورتوں اور بچوں کا کیا ہوا۔ یہ گاڑیاں یہودی نو آباد بستی زخرون یعقوب [۱۱] جا رکیں، جہاں ہمیں بڑے تہہ خانے میں بند کر دیا، جو کسی بڑی قبر سے مشابہ تھا اور اس میں تین سو زندہ انسان ڈال دیے گئے۔ وہاں ہمیں بغیر پانی و روٹی کے تین دن قید رکھا گیا۔

بالآخر دروازہ کھلا اور ہمیں پھر سے ٹرکوں میں لاد دیا گیا، جن کے دروازے بمشکل بند کیے جا سکے۔ ان میں بیٹھنا تو دور کی بات، کھڑا رہنا بھی مشکل ہو رہا تھا۔ اب ہمیں ایک مقبوضہ گاؤں امّ خالد [۱۲] لے جایا گیا، جہاں کانٹے دار تاروں سے گھرا کیمپ تیار تھا۔ یہاں ہمیں پندرہ دن رکھا گیا، جس دوران سخت مشقت لی جاتی رہی، جب کہ برائے نام کھانا محض ایک بار رات گئے دیا جاتا۔ مَیں سخت کام کا عادی نہ تھا، لہٰذا مصائب کا سامنا رہا۔ اس پر مزید یہ کہ رات کو کھردری زمین پر بغیر بستر کے سونے کے لیے ڈال دیا جاتا۔ پندرہ دن بعد مجھ سمیت ایک سو پچاس قیدی الگ کر کے اگلی منزل پر روانہ کر دیے گئے، جب کہ میرے دو بھائی اسی کیمپ میں روک لیے گئے، جن سے جدائی کا مجھے شدید غم ہوا۔ اب سوار ہونے سے قبل ہماری تلاشی لی گئی، جس کے لیے سب کو قطار میں باہم ایک میٹر فاصلہ پر کھڑے ہونے اور لباس اتارنے کا حکم دیا گیا۔ پہلے قمیص و جبہ، پھر پاجامہ حتیٰ کہ جسم کے تمام کپڑے الگ کر دیے۔ ہمیں یہودیوں کی آنکھیں اپنے جسموں میں انگاروں کی طرح چبھتی ہوئی محسوس ہوئیں۔

اب ہمیں نئے کیمپ اِجلیل [۱۳] نامی گاؤں لے جایا گیا، جو تل ابیب [۱۴] کے نزدیک واقع تھا۔ وہاں پہنچ کر محسوس ہوا کہ اصل تکالیف کا آغاز تو اَب ہوا ہے۔ وہاں قدم رکھتے ہی سخت نگرانی میں بھاری پتھروں کی منتقلی کی مشقت ہماری منتظر تھی۔ وہاں پہنچتے ہی کام پر لگا دیا گیا اور نگران فوجی ساتھ ساتھ چلا رہے تھے، جلدی کرو جلدی، پھر کھانا آنے کو ہے۔ لیکن یہ مشقت جو وہاں پہنچنے پر دوپہر کو شروع ہوئی، اسی چیخ و پکار میں دوسرے روز دوپہر تک بغیر وقفہ اور پانی و کھانے کے جاری رہی۔ پھر تو یہ سب کچھ معمول بن گیا، حتیٰ کہ اسی کیفیت میں اس کیمپ میں پانچ ماہ بیت گئے اور ہر روز نئی مشقت اور ہر رات نئی مصیبت کا سامنا رہا۔ اسی دوران ماہِ رمضان آیا اور گزر گیا، تب ایسے دن بھی دیکھے کہ چھتیس گھنٹے بغیر کھائے گزر گئے۔

مشقت کے ساتھ گالی گلوچ اور توہین آمیز رویے کا تو ہر مرحلہ سامنا رہتا، پھر تو یہ سب کچھ ہمارے معمولات میں شامل اور زندگی کا حصہ بن گیا۔ ایک رات ہم سو رہے تھے کہ محافظ آئے اور عبرانی زبان میں ہمیں فوراً اٹھنے کا کہا، اسی کے ساتھ ایک ڈنڈا میرے سر پر برسا، تب میں حواس باختہ ہو کر جاگا اور لوگ بھاگ کر جس سمت جا رہے تھے، میں بھی ادھر لپکا۔ پھر ہم سب اسی کونے میں دو گھنٹے تک ایک دوسرے پر گرے رہے، تب ہمیں واپس اپنے مقام پر جانے کا حکم ملا۔ معلوم کرنے پر پتا چلا کہ یہ محض تلاشی کا عمل تھا کہ کہیں کسی نے فرار کے لیے سرنگ تو نہیں کھود لی۔ اتنی سخت نگرانی کے ماحول میں ایک رات ہمارے بیس ساتھی بھاگنے میں کامیاب ہو گئے۔ بالآخر یہاں سے ہمیں عتلیت [۱۵] نامی مقام کے قیدی کیمپ میں منتقل کیا گیا، جہاں بارہ دن گزر گئے لیکن یہ بارہ روز میری زندگی کے بدترین لمحات ثابت ہوئے۔ پھر ہمیں صرفند [۱۶] لے جایا گیا۔ تب تک عالمی دباؤ بڑھ چکا تھا، چنانچہ ہمیں رہائی ملی اور القدس الشریف لے جا کر اُردنی فوج کے حوالے کر دیا گیا۔ وہاں سے ہم بمشکل عمان پہنچے۔ جہاں سے نکلنے اور آگے بڑھنے کے لیے رقم کی ضرورت تھی، جو میسر نہ تھی، چنانچہ میں یہ مشکل لوگوں سے بیان کرنے پر مجبور ہوا، حتیٰ کہ وہاں مجھے اپنے محلّہ و شہر کا ایک جاننے والا آدمی مل گیا، جس نے اتنی رقم دے دی کہ میں رہا ہونے والے بکثرت ساتھیوں کو بھوکا پیاسا اور رقم کے حصول میں سرگرداں و پریشان چھوڑ کر عمان سے دمشق پہنچا، جہاں میرے اہل خانہ جمع ہو چکے تھے۔ یوں میری زندگی کا ایسا صفحہ و باب تمام ہوا، جسے مَیں کبھی بھلا نہیں سکتا۔

مسجد استقلال حیفا شہر کی دوسری بڑی مسجد تھی، جہاں میرے استاذ شیخ عزالدین القسام اوّلین امام و خطیب تھے، جن کی شہادت کے بعد یہ ذمہ داری و خدمت میرے سپرد کی گئی، تا آنکہ ۲۲/اپریل ۱۹۴۸ء کو برطانوی استعمار نے حیفا سے فوج نکال لی اور شہر یہودیوں کے حوالے کر دیا۔

## شیخنا المجاھد الکبیر الشیخ عز الدین القسام

محمد عزالدین بن عبدالقادر القسام شام کے شہر لاذقیہ [۱۷] کے نزدیک موضع جبلہ میں ایک معزز گھرانہ میں ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۲ء کو پیدا ہوئے۔ جامعہ ازہر قاہرہ میں تعلیم کے بعد وطن واپس آئے اور واعظ و مرشد کے طور پر کام شروع کیا، پھر شام پر مسلط فرانسیسی استعمار کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ ایک مرحلہ پر ترکِ وطن کی نوبت آئی، چنانچہ فلسطین کی راہ لی

اور حیفا کو مستقر بنایا۔ جہاں جامع مسجد استقلال کے امام وخطیب ہوئے، نیز جہاد کے لیے خفیہ تنظیم بنائی اور جذبۂ جہاد کو ابھارنے کے لیے منبر کا بخوبی استعمال کیا۔ پھر بے سروسامانی لیکن جہاد کے بھرپور جذبہ کے ساتھ فلسطین پر برطانوی استعمار کے خلاف جدوجہد کی، تا آنکہ ۱۳۵۴ھ/ ۱۹۳۵ء کو حیفا کے نزدیک گاؤں بلد الشیخ [۱۸] میں معرکہ کے دوران شہادت پائی، وہیں قبر بنی۔

حیفا کی حفاظت اور اسے فواحش سے منزہ رکھنے اور امن کے قیام کے لیے ۱۹۱۹ء میں جمعیة الاسلامیة قائم کی گئی اور مفتیٔ حیفا شیخ محمد مراد [۱۹] اس کے پہلے صدر تھے۔ اس میں تین سو کے قریب جوانوں کا ایک دستہ تھا۔ ارکان کے لیے اسلحہ پاس رکھنا تو ممکن نہ تھا، لہٰذا بانس کی لاٹھی اس دستے کے ہر رکن کا واحد ہتھیار تھا۔ اس تنظیم نے حیفا میں متعدد اصلاحی و سماجی خدمات انجام دیں، حتیٰ کہ برطانوی استعمار نے حکم جاری کیا کہ اگر کسی جوان کے ہاتھ میں ڈنڈا یا لاٹھی دکھائی دی تو اس پر فوجی عدالت میں مقدمہ چلایا جائے گا۔ مفتی محمد مراد کی وفات کے بعد رشید الحاج ابراہیم جمعیت کے صدر [۲۰] منتخب ہوئے۔ پھر بلدیہ حیفا کے چیئرمین الحاج سید عبدالرحمٰن (وفات ۱۳۶۵ھ/ ۱۹۴۶ء)، جو محبِّ وطن و متدین تھے، وہ جمعیة الاسلامیة کے صدر رہے۔

جب مسجد استقلال کی ذمہ داری مجھے سونپی گئی تو برطانوی استعمار کے مقامی قائد ایک روز میرے گھر آئے اور مسلح کارروائیاں روکنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی۔ پھر ایک روز میں مسجد استقلال میں نمازِ جمعہ پڑھا چکا تھا کہ ایک حیران کن اطلاع ملی کہ برطانوی فوج ٹینک و بکتر بند گاڑیوں کے ساتھ شہر کی سب سے بڑی اور مرکزی مسجد حیفا (مسجد الجرینة) کا محاصرہ کیے ہوئے ہے اور گہری تلاشی لینے کی تیاری کر رہی ہے، جس پر نمازی پریشان کیے جا رہے ہیں۔ تب میں نے فوجی قائد کو ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ جس پر چند ساتھیوں کے ہمراہ ٹینک میں قائد کے ہاں لے جایا گیا۔ میں نے اس وحشیانہ عمل کا سبب دریافت کیا، جس باعث اللہ کے گھر پر اسلحہ تان لینے کی نوبت آئی اور وہ بھی شہر کی سب سے بڑی مسجد پر۔ میں نے واضح کیا کہ ہم مسلمان ہر قیمت پر اللہ کے گھروں کی بخوبی حفاظت کرنا جانتے ہیں۔ اس پر فوجی کمانڈر نے معذرت کی اور یہ سلسلہ روکنے کا حکم دیا۔ ادھر اتنی دیر میں شہر بھر میں افواہ پھیل گئی کہ انگریز فوج مجھے گرفتار کر کے ٹینک میں ڈال کر کہیں لے گئی ہے۔ تا آنکہ میں کمانڈر سے ملاقات کر کے واپس گھر پہنچا اور فضا قدرے پُر امن ہوئی۔

استاذ شیخ عزالدین القسام کی شہادت کے بعد ہم نے جہادی سرگرمیاں ممکنہ حد تک جاری رکھیں۔ ۱۹۳۶ء میں استعمار اور یہود کے ساتھ ایک معرکہ ہوا، جس میں ایک سو سے زائد ہینڈ گرنیڈ بچ گئے جو بحفاظت مجھ تک پہنچائے گئے۔ جمعیۃ الاسلامیۃ کے صدر رشید الحاج اور محمد الحمد میرے اہم معاون و ساتھی تھے، ہم ہر رات کسی خفیہ مقام پر جمع ہوتے اور آئندہ کے لائحہ عمل پر غور کیا جاتا۔ ۲۱/ ذیقعد ۱۳۶۲ھ، مطابق ۱۹/نومبر ۱۹۴۳ء کو میری نگرانی میں جمعیۃ الاعتصام تشکیل پائی۔ حیفا کے علاوہ شفا عمرو [۲۱] اور طولکرم [۲۲] وغیرہ مقامات پر اس کی شاخیں تھیں۔ یہ تنظیم دیگر اعمال کے ساتھ نوجوانوں کو اسلحہ چلانے کی تربیت اور لڑائی و دفاع کی مشقیں کراتی۔ اس کے تربیت یافتہ بکثرت جوان شہادت سے سرفراز ہوئے۔ اس دوران اسلحہ کے حصول کے لیے اہم شخصیات سے رابطہ کے لیے میں نے قاہرہ اور دمشق کے دو دو سفر کیے، پھر ایک وائرلیس سیٹ ہمارے ہاتھ آ گیا، جس سے مصر و شام سے رابطہ رکھنے میں آسانی ہو گئی۔ دسمبر ۱۹۴۷ء میں ہمیں دمشق سے کچھ اسلحہ موصول ہوا۔ ادھر یہودی میرے خون کے پیاسے تھے اور ایک سے زائد بار قتل کرنے کی کوشش کی۔ شہر کی حفاظت و امن برقرار رکھنے کے لیے مسلمانوں اور عیسائیوں کی ایک مشترکہ تنظیم اللجنۃ القومیۃ الاسلامیۃ المسیحیۃ بھی فعال تھی۔

ارض فلسطین کی بربادی کی مذموم کارروائیاں زور شور سے عروج پر تھیں اور صہیونی ریاست کے قیام کا عمل تقریباً آخری مرحلے میں تھا کہ مصر سے اخوان المسلمین کا وفد فلسطین آیا، تاکہ تمام مقامی طبقات اور گروہوں کو متحد ہو کر اپنی جدوجہد کو آگے بڑھانے کی طرف راغب کرنے میں کردار ادا کر سکیں۔ یہ وفد حیفا پہنچا تو میرے ہاں قیام کیا۔

برطانوی استعمار بتدریج حیفا سے کوچ کر گیا اور ان کے پیش رو صہیونی و یہودی زعماء ہر طرف تباہی مچاتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے کہ اس رنجیدہ و افراتفری کے ماحول میں بارہ ربیع الاوّل کی آمد ہوئی۔ کیا آپ آگاہ ہیں کہ یہ کون سا دن ہے، یہ سید العالم محمد بن عبداللہ صلوات اللہ و سلامہ علیہ کی ولادت کا دن ہے۔ گزشتہ برسوں میں اس مناسبت سے ہم محافل منعقد کرتے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت کے اظہار میں جھنڈے بلند کیا کرتے، جوق در جوق جمع ہوتے، شمعیں جلایا کرتے تھے اور یہ دن ہمارے لیے عیدوں کی عید ہوا کرتا تھا، لیکن کہاں آج کی یہ عید، ہم لوگ یہودیوں سے معرکہ آراء، ہمارے ہر گھر پر ماتم اور گہرے رنج و غم کی کیفیت طاری ہے۔ اس ماحول میں ہم خوشی اور فرحت کے اظہار میں محافل کیسے منعقد کریں۔

اس فضا میں حیفا میں اس برس عید میلاد النبی ﷺ کے جشن کا اہتمام نہیں ہو سکا۔ لیکن ہمارے دوست وکیل صلاح عباسی نے فرحت کے اظہار اور یاد تازہ کرنے کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ اس مناسبت سے ہم میں سے بعض کے تاثرات حاصل کر کے قلم بند کر لیے اور یہ فلسطینی اخبارات کو بھیج دیے۔ میں نے بھی مختصر الفاظ میں بیان کیے، جو ''میلاد الرسول ﷺ'' عنوان کے تحت اب اس کتاب میں بھی پیش ہیں۔ جو ڈیڑھ صفحہ پر مشتمل ہیں۔

یکم ربیع الثانی ۱۳۶۷ھ، بمطابق ۱۲/فروری ۱۹۴۸ء کی رات حیفا میں گھمسان کا رن پڑا، جسے روس کے معرکہ سٹالن گراڈ سے تشبیہ دی گئی۔ تب شام کے حکام کو حیفا کی حالت زار پر مطلع کرنے کے لیے دو دن بعد ۱۵/فروری کو مَیں حیفا سے دمشق روانہ ہوا، جہاں صدر شکری قوتلی سے ملاقات کی، جنہوں نے مدد کا وعدہ کیا، نیز دیگر حکام سے ملا۔ میں دمشق سے واپس روانہ ہوا اور لبنان کے شہر ناقورہ سے نکل کر حیفا کے بالکل قریب پہنچ چکا تھا کہ یہودیوں کی ایک گاڑی ہمارا تعاقب کرتی نظر آئی، جس نے موقع پا کر گاڑی پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ جس پر میں اور ساتھی شدید زخمی ہو گئے۔ میرے بائیں کندھے اور گردن کے نزدیک یکے بعد دیگر تین گولیاں لگیں، لیکن ہم حیفا پہنچنے میں کامیاب ہو گئے، جہاں کے بڑے اسپتال میں دو گھنٹے آپریشن کے بعد گولیاں نکال لی گئیں۔ یہ واقعہ بروز جمعہ، ۱۰/ربیع الثانی ۱۳۶۷ھ، بمطابق ۲۰/فروری ۱۹۴۸ء کے فلسطینی اخبارات میں چھپا۔

۲۶/فروری کو مجھے ایمبولینس کے ذریعے حیفا سے بیروت منتقل کیا گیا، جہاں کے المقاصد الاسلامیۃ نامی ہسپتال کے ڈاکٹروں نے مزید سہولیات کے ساتھ علاج جاری رکھا اور اہلِ بیروت نے عیادت و خدمت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ شہر کے نوجوان لڑکے، لڑکیاں، علماء و مشائخ اور مفتیٔ اعظم شیخ توفیق خالد [۲۳]، پھر وزیر اعظم لبنان اسپتال تشریف لائے اور شام کے صدر شکری قوتلی نے عیادت کے لیے وفد بھیجا، نیز دمشق آنے کی دعوت دی۔ بیروت میں مجھے لگا کہ اپنے عزیز و اقارب کے درمیان اور اپنے ہی وطن و قبیلہ میں ہوں۔ نکبہ فلسطین کے ایام میں جو زخمی فلسطینی بیروت پہنچائے گئے مَیں، ان میں سے پہلا فرد تھا۔

شام کے صدر شکری قوتلی کے حکم پر میرے علاوہ صبحی الخضراء [۲۴] اور مؤید العظم پر مشتمل تین رکنی وفد پندرہ اگست ۱۹۴۸ء کو دمشق سے روانہ ہوا، تا کہ ہم ارضِ فلسطین و مشرقی اُردن میں متحرک و منتشر مہاجرین کی حالتِ زار دیکھ کر ان کی معاونت و ضروریات بارے آگاہی حاصل کریں، نیز حکومت شام کے عطا کردہ ساز و سامان اور تحائف ان میں

تقسیم کریں۔ آٹے کی پانچ سو بوریاں وفد کے ساتھ تھیں۔ ہم لوگ اردن کے شہر زرقاء[۲۵] سے ہوتے ہوئے عمان پہنچے۔ راستے میں اور اردگرد کے درختوں کے نیچے، غاروں میں، غرض کہ ہر سمت مہاجرین کا ہجوم وتانتا بندھا ہوا تھا، جن کو کھانے پینے کی اشیاء میسر نہ تھیں اور وہ مانگنے، نیز ناقص وغلیظ غذا کھانے پر مجبور تھے۔ گو کہ اردنی حکومت ممکنہ حد تک ان کی مدد کر رہی تھی، لیکن صرف دار الحکومت عمان میں مہاجرین کی تعداد ۳۵ر ہزار اور مزید ساٹھ ہزار اردن کے دیگر مقامات پر منتشر و پھیلے ہوئے تھے۔

عمان سے ہم لوگ اریحا[۲۶] پہنچے، راستے میں مزید مہاجر قافلے آتے ہوئے دیکھے۔ وہاں سے براستہ خان احمر[۲۷] القدس الشریف روانہ ہوئے، جہاں شہر کو ویران و برباد پایا۔ سترہ اگست ۱۹۴۸ء کی رات ہم القدس میں تھے، جہاں رات بھر فائرنگ کی آواز گونجتی رہی اور گولیاں ہماری آنکھوں کے سامنے گر رہی تھیں۔ القدس اور اردگرد کے علاقوں سے ہوتے ہوئے ہمارا وفد رملہ[۲۸] پہنچا، جہاں ایک لاکھ کے قریب مہاجرین جمع ہو چکے تھے اور انتہائی کس مپرسی کی حالت میں تھے۔ پھر ہم ۱۷ر اگست کے روز نابلس[۲۹] اور اس کے نواحی دیہاتوں تک پہنچے۔ نابلس میں ۳۵ سے ۴۵ ہزار کے درمیان مہاجرین جمع ہو چکے تھے۔ ہم نے ان کی پناہ گاہوں کا دورہ کیا اور ان کی دل جوئی و معاونت کی۔ پھر ہم حزن و ملال کی کیفیت میں آگے بڑھے اور وادی التفاح نامی مقام پہنچے، جو سیبوں کی بکثرت پیداوار کے باعث اس نام سے موسوم تھی اور اب وہاں مہاجرین اکٹھے ہو رہے تھے۔ لیکن آج یہ سیبوں کی وادی کی بجائے وادی الاحزان و النواح ''غموں اور آہ وبکا کی وادی'' کا منظر پیش کر رہی تھی۔ ہمیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ بیسویں صدی میں برطانیہ جیسے ترقی یافتہ اور مہذب ومتمدن کہلانے والی حکومت کی رعایا ہے۔ ہمیں محسوس ہو رہا تھا کہ شاید یہ ماقبل تاریخ کا دَور و منظر ہے، جب انسان جنگلوں اور غاروں میں رہائش پذیر اور اسے تن ڈھانپنے کے لیے مناسب لباس بھی میسر نہ تھا۔ ان مشاہدات پر مجھے لگا کہ فلسطین کو اندلس کے راستے پر ڈال دیا گیا ہے۔ ہم لوگ واپس شام کے دار الحکومت دمشق پہنچے اور رپورٹ تیار کر کے صدر شکری قوتلی کو پیش کی، جو اخبارات ورسائل کو جاری کی گئی، نیز میں نے ریڈیو شام پر تقریر کے توسط سے عوام کو فلسطین کی صورت حال پر آگاہ کیا۔

سید عبد القادر بن موسیٰ کاظم حسینی[۳۰] ۱۳۲۶ھ/ ۱۹۰۸ء میں بیت المقدس میں پیدا ہوئے۔ وہ چھاپہ مار کارروائیوں کے قائد تھے۔ ۱۹۴۴ء میں بیت المقدس ان کے گھر گیا، پھر مکہ مکرمہ،

اور ے، ۱۹۴۷ء میں قاہرہ، پھر دمشق میں ملاقات و رابطہ رہا۔ وہ ۱۹۳۶ء کے معرکہ میں شریک تھے اور ۱۸/اپریل ۱۹۴۸ء کو معرکہ القسطل [۳۱] میں شہید ہوئے۔

۱۹۴۹ء میں شام کے صدر شکری قوتلی کے حکم پر فلسطین کی صورتِ حال پر آگاہ کرنے کے لیے ایک خاص وفد سعودی عرب کے فرماں روا عبد العزیز بن عبد الرحمٰن آل سعود (وفات ۱۳۷۳ھ/۱۹۵۳ء) کی طرف بھیجا گیا، میں اس وفد کا رکن تھا۔

فلسطین کا کل رقبہ تقریباً ستائیس ہزار مربع کلومیٹر ہے، جس میں سے بیس ہزار کلومیٹر سے زائد علاقہ صہیونی اسرائیل کے قبضہ میں اور بقیہ ۶۲۲۰ کلومیٹر ہمارے ہاتھ رہ گیا ہے۔

عرب و مسلم امہ کے زعماء و قائدین اسرائیل کے قیام اور ارضِ فلسطین کے ہاتھ سے نکل جانے کے سانحہ سے لاتعلق رہ کر کتنے بڑے جرم کا ارتکاب کر رہے ہیں، شاید وہ اس کے نتیجہ میں برپا ہونے والی تباہی و بربادی کو محسوس و دیکھ نہیں پا رہے۔

oooo

شیخ سید محمد نمر الخطیب کی ''احداث النکبة او نکبة فلسطین'' بلد الانبیاء علیہم السلام فلسطین کی دورِ جدید میں بربادی و پامالی کے ایام، نکبہ فلسطین کے المناک حقائق و مشاہدات پر مبنی ۳۶۸ صفحات کی یہ کتاب اس مرحلہ کی بے شک اہم و منفرد دستاویز و وثیقہ ہے، جو اسلوب و اندازِ بیاں اور واقعات کے پہلو سے قیام پاکستان کے تناظر میں لکھے گئے نسیم حجازی کے مشہور ناول ''خاک وخوں'' سے مشابہت رکھتی ہے۔

کتاب کے آخری بیرونی صفحہ پر مصنف کے متعلق دی گئی مختصر معلومات میں ہے کہ شیخ نمر، حیفا کے الخطیب نامی سادات گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ان کے اجداد اس شہر میں نقابة الاشراف، افتاء، امامت و خطابت سے وابستہ رہے۔ آپ نے حیفا و عکا [۳۲] میں تعلیم کے بعد قاہرہ، مصر کا رخ کیا اور جامعہ ازہر کے اصولِ دین کالج سے فراغت پائی، پھر دین، علم اور سیاست کے میدان کے شناور ہوئے۔ آپ مصنف، خطیب، مدرس، مرشد اور متعدد تنظیموں کے بانی و رکن، نیز اعلیٰ مناصب پر فائز رہے۔ صہیونی ریاست کی قید میں رہے اور ۱۹۴۸ء میں جہادِ فلسطین کے قائدین میں سے تھے، جس میں زخمی ہوئے اور علاج کے لیے بیروت، پھر دمشق لائے گئے۔ پھر دمشق میں متعدد مناصب پر خدمات انجام دیں۔ اسلامی فلسفہ میں پی ایچ ڈی کے لیے جرمنی کا سفر کیا۔

دیگر ذرائع سے جو معلومات راقم سطور کے پیشِ نظر ہیں، ان کے مطابق شیخ سید محمد نمر

الخطیب کا سالِ ولادت ۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء ہے اور ۱۴۳۱ھ/ ۲۰۱۰ء کو مدینہ منورہ میں وفات پائی، قبرستان بقیع میں قبر بنی۔ بغداد میں قیام کے دوران شیخ سید عبدالقادر جیلانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار سے ملحق مسجد میں خطیب رہے اور اسلامیانِ پاک و ہند سے تعلق و روابط میں سے ہے کہ پاکستان تشریف لائے اور سفر نامہ ''ایام فی الباکستان'' نام سے قلم بند کیا اور مولانا ضیاء الدین احمد قادری سیالکوٹی مہاجر مدنی سے مراسم تھے، جب کہ مولانا مدنی کے پوتا ڈاکٹر شیخ رضوان مدنی کو شیخ محمد نمر سے اجازت و خلافت کا شرف حاصل ہوا۔

مولانا محمد عاشق الرحمٰن الٰہ آبادی کی کتاب ''مجاہد ملت کا حرفِ حقانیت'' میں وسیلہ سے متعلق شیخ نمر الخطیب کا مصدقہ فتویٰ درج ہے۔ علاوہ ازیں محدث و مسند لاہور مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری، مسند لاہور مولانا علی احمد سندیلوی، مسند مفتی محمد محبّ اللہ نوری، مولانا محمد فیض المصطفیٰ نوری، ڈاکٹر مفتی محمد اسلم رِضا میمن، مولانا مفتی ابوبکر شاذلی اور دیگر کو آپ سے اسلامی علوم میں روایت کی اجازت حاصل ہے۔ نیز مرکزی مجلس رِضا لاہور کے بانی رکن حکیم محمد عارف ضیائی لاہوری مدنی اور دار العلوم امجدیہ کراچی کے استاذ مولانا ابوالقاسم ضیائی کی شیخ سید محمد نمر الخطیب سے ملاقاتیں تھیں۔

## حواشی

۱...... حیفا: خطۂ فلسطین کا ساحلی شہر اور بندرگاہ ہے۔ خوب صورت محلِ وقوع، ایک طرف سمندر اور دوسری جانب پہاڑوں سے گھرا ہوا قدیم شہر۔ جس پر فرنگیوں نے سو بحری جہازوں اور بحری توپوں کی مدد سے ۱۱۰۰ء میں قبضہ کرلیا، تا آنکہ ۱۱۸۷ء میں سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح کر کے شہر کی دیواریں مہندم کرا دیں۔ کچھ عرصہ بعد پھر سے فرنگی تسلط میں چلا گیا۔ اب ۱۲۵۱ء میں سلطان ظاہر رکن الدین بیبرس نے واپس اسلامی سلطنت میں شامل کیا۔ ۱۷۹۹ء میں نپولین بونا پارٹ غالب آیا، پھر عثمانی سلطنت کا حصہ رہا۔ عثمانی عہد میں ۱۹۰۸ء میں بندرگاہ تعمیر ہوئی، جسے برطانوی استعمار نے ۱۹۶۹ء میں وسعت دی۔ پھر پٹرول لائن اس خطہ سے گزری تو علاقہ کی اہمیت مزید بڑھی۔ ۱۹۴۵ء میں حیفا کی آبادی ایک لاکھ اڑتیس ہزار تھی اور ۲۲ ؍اپریل ۱۹۴۸ء کو یہود نے قبضہ کر کے مقامی باشندوں کو نکال باہر کیا، تب سے صہیونی ریاست اسرائیل کے تسلط میں اور ۱۹۷۰ء میں آبادی تقریباً دولاکھ تھی، جن میں عرب و مقامی باشندے محض سترہ ہزار تھے۔

[معجم بلدان فلسطین، ص ۳۰۷ تا ۳۱۰]

مصورِ فطرت، صوفی وصحافی خواجہ حسن نظامی دہلوی عرب ممالک کی سیاحت کے لیے نکلے تو ۲۶ر جولائی ۱۹۱۱ء کو حیفا پہنچے، پھر سفرنامہ میں اس کے متعلق یہ لکھا:

''آج صبح جہاز نے حیفا پر قیام کیا اور ہم اس کی سیر کو گئے۔ پرانی طرز کا میلا کچیلا شہر ہے۔ حجاز ریلوے کے دفاتر یہیں بنے ہوئے ہیں۔ ہم نے ان سب کو جا کر دیکھا اور کھانا وغیرہ خرید کر جہاز پر چلے آئے۔ یہاں ایک جامع مسجد بھی ہے، جس کی مرمت سلطان عبدالحمید خان نے کرائی تھی۔ اس کے کتبے سے سلطان موصوف کا نام کاٹ دیا گیا ہے۔ میرے لیے یہ پہلا موقع تھا۔ ایک عرب سے جو غالبًا حیفا کے ممتاز شرفا میں سے تھا، دریافت کیا تو اس نے نہایت خشم آلود لہجہ میں کہا کہ یہ ہماری حریت مآب پارلیمنٹ کی کارستانی ہے۔ وہ نہیں چاہتی کہ سلطان عبدالحمید کا نام کسی جگہ لکھا رہے۔ میں نے کہا، آپ لوگ عبدالحمید خان کو پسند کرتے ہیں؟ بولا: پسند کیا معنی، ہم ان کے لیے آنسو بہاتے ہیں، اگر ہمیں رونے دیا جائے تو کبھی نہ تھمیں۔ اس قدر ہمارے دل اس نیک مرد کو چاہتے ہیں'' ---

[سفرنامہ خواجہ حسن نظامی، ص ۱۳۷ تا ۱۳۸]

۲۰۲۴ء میں حیفا اور اس سے ملحق موضع کبابیر نہ صرف صہیونی ریاست اسرائیل، بلکہ پوری عرب دنیا میں قادیانی فتنہ کا واحد مرکز و آماج گاہ ہے۔

۲...... شیخ سید یوسف بن ہاشم الرفاعی (وفات ۱۴۳۹ھ/ ۲۰۱۸ء) کا نام اردو دنیا کے لیے اجنبی نہیں۔ آپ بارہا پاک و ہند اور بنگلہ دیش تشریف لائے۔ سوادِ اعظم اہلِ سنت و جماعت کے قائدین سے گہرے مراسم تھے۔ تصنیفات کے اردو تراجم ہوئے۔ آپ کے احوال پر ذیشان قادری کی تحریر ماہ نامہ ''مرآۃ العارفین'' لاہور کے شمارہ جنوری ۲۰۲۴ء، صفحہ ۲۸ تا ۳۰ پر پیش نظر ہے۔

۳...... ابوالفتح عاطف بن عبدالعزیز نور اللہ نے ناصرہ کے صحافی ومجاہد صاحبِ دیوان شاعر مطلق عبدالخالق (وفات ۱۳۵۶ھ/ ۱۹۳۷ء) کے ساتھ مل کر حیفا سے ماہ نامہ کشاف الصحراء جاری کیا، جس کا پہلا شمارہ مارچ بقول دیگر ۹ر اپریل ۱۹۳۱ء کو سامنے آیا۔ [الصحافة العربية فی فلسطين، ص ۵۵]

مسجد استقلال حیفا، شہر کی دوسری بڑی مسجد اور شہر کے وسط میں واقع ہے۔ ابوالفتح عاطف نور اللہ کے والد عبدالعزیز نور اللہ اور چچا الحاج امین نور اللہ، نیز دیگر نے اس مسجد اور قبرستان

کے لیے زمین وقف کی، جس کا سنگ بنیاد یکم محرم ۱۳۴۲ھ/۱۹۲۳ء میں رکھا گیا اور ۲۰۰۳ء میں جدید تعمیر ہوئی۔ عاطف نور اللہ کے والد اور چچا کی قبریں سنگ مرمر سے مزین اس مسجد کے پہلو میں واقع ہیں۔ شیخ المجاہدین عزالدین القسام شہید اس مسجد کے پہلے امام وخطیب تھے۔

۴......شکری بن محمود قوتلی (وفات ۱۳۸۷ھ/۱۹۶۷ء) دمشق میں پیدا ہوئے، بیروت میں وفات اور دمشق میں قبر بنی۔ عرب قوم پرست رہنما تھے۔ عثمانی دارالخلافہ استنبول میں تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۲۵ء سے قبل کچھ عرصہ حیفا میں فرانسیسی استعمار سے روپوش رہے۔ ۱۷/اگست ۱۹۴۳ء کو اور دوسری بار ۵/ستمبر ۱۹۵۵ء کو ملکِ شام کے صدر منتخب ہوئے۔

[الاعلام، ج ۳، ص ۱۷۲تا ۱۷۳]

۵......عرب لیگ: اقوام متحدہ طرز کی یہ علاقائی تنظیم عربوں نے ۲۲/مارچ ۱۹۴۵ء کو قائم کی اور اب بائیس عرب ممالک اس کے رکن اور مرکزی دفتر قاہرہ میں ہے، جو کچھ عرصہ تیونس منتقل رہا۔ یہ عربوں کے باہم ملکی اختلاف کے حل وتصفیہ اور حقوق کے تحفظ وحصول نیز عالمی امور میں اقتصادی وسیاسی وغیرہ شعبوں میں کردار ادا کرنے کے لیے قائم کی گئی۔ اس کے اصول وضوابط اور اغراض و مقاصد کے بیان پر مصر کے ڈاکٹر مجدی حماد (پیدائش ۱۳۶۵ھ/۱۹۴۶ء) کی کتاب جامعة الدول العربية مدخل الى المستقبل ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۴ء میں پانچ سو صفحات پر تینتالیس ہزار کی تعداد میں عالم المعرفة کویت سے شائع کی گئی۔

مسئلہ فلسطین میں عرب لیگ کے کردار پر الجزائر کی محمد خضیر یونی ورسٹی بسکرہ میں فسیح نصیرہ نے ایم اے کی سند کے لیے ۲۰۱۴ء میں مقالہ جامعة الدول العربية و دورها فى دعم القضية الفلسطينية ۱۹۴۵ء-۱۹۷۴ء قلم بند کیا، جو ۸۴ صفحات کا ہے۔ اور اسلامی یونی ورسٹی، غزہ فلسطین میں محمد محمود المغنی نے ۲۰۱۶ء میں ایم فل درجہ کا مقالہ موقف جامعة الدول العربية من القضية الفلسطينية من خلال القرارات و البيانات الرسمية الصادرة عنها ۱۹۸۷ء-۲۰۰۶ء لکھا، جو ۲۲۵/صفحات پر ہے۔ لیکن عرب لیگ اپنے قیام کے مقاصد میں کس قدر کامیاب ہوئی، ہر ذی شعور مسلمان اور عرب اس پر آگاہ ہے۔

۶......القدس الشریف: بیت المقدس یا القدس الشریف جس کے قدیم نام یبوس اور شلم وغیرہ تھے، یہ ساڑھے تین ہزار سال سے آباد ہے۔ دوسرے خلیفہ راشد سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور میں ۱۵ھ/ ۶۳۶ء کو فتح ہوا اور آپ خود مدینہ منورہ سے

وہاں گئے اور اہلِ قدس کو امان کا وثیقہ ومعاہدہ عطا کیا۔ تا آنکہ ۴۹۲ھ/ ۱۰۹۹ء سے ۵۸۳ھ/ ۱۱۸۷ء تک یہ صلیبیوں کے قبضہ میں رہا، پھر سلطان صلاح الدین ایوبی نے واگزار کرا کے دوبارہ اسلامی سلطنت میں شامل کیا۔ ۱۵۱۷ء تا ۱۹۱۷ء خلافت عثمانیہ کا حصہ رہا، جس دوران دسویں عثمانی حکمران سلطان سلیمان اوّل بن سلیم خان (وفات ۹۷۴ھ/ ۱۵۶۶ء) جو سلیمان قانونی اور سلیمان اعظم کے القاب سے مشہور ہیں، انہوں نے شہر کے گرد دیوار تعمیر کرائی، جو چار کلومیٹر طویل اور سات دروازے تھے۔ ۹؍دسمبر ۱۹۱۷ء سے اپریل ۱۹۴۸ء تک اس پر برطانوی استعمار مسلط رہا اور آخر الذکر برس صہیونی ریاست اسرائیل تشکیل دی گئی تو بیت المقدس کا مغربی حصہ اسرائیل اور مشرقی القدس اردن کے حوالے کر دیے گئے۔ اور ۵؍جون ۱۹۶۷ء کو عرب اسرائیل جنگ میں صہیونی ریاست نے امریکہ وغیرہ کی سرپرستی میں پورے شہر پر قبضہ کر لیا، جو تا حال جاری ہے اور اسرائیل اسے اپنا دار الحکومت قرار دینے پر بضد ہے۔ ۱۹۴۷ء میں عرب آبادی ۳۳۶۰۰ تھی، جب کہ یہودی محض ۲۴۰۰ تھے، لیکن آج اعداد وشمار اس کے برعکس ہیں۔ بیت المقدس مسلمانوں کا قبلہ اوّل، مسجد اقصیٰ اور معجزۂ اسراء ومعراج سے متعلق مسجد الصخرہ نیز انبیاء کرام علیہم السلام کے مزارات باعث تیسرا مقدس شہر ہے۔ یہاں کے اہم کتب خانوں مکتبہ مسجد اقصیٰ، مکتبہ خالدیہ اور مکتبہ البدیری وغیرہ میں اسلامی علمی ورثہ کے ذخائر جزوی طور پر باقی ہیں۔ یہ شہر اردن کے دار الحکومت عمان سے محض تقریباً ۷۵؍کلومیٹر فاصلہ پر ہے۔ [معجم بلدان فلسطین، ص ۵۹۶ تا ۶۰۲، نیز دیگر مصادر]

القدس الشریف کی تاریخ وفضائل پر تین اردو کتب کے نام یہ ہیں: عبد القدیر کی ''بیت المقدس'' جو جون ۱۹۴۷ء، یعنی قیام اسرائیل سے چند ماہ قبل تالیف ومکمل کی گئی اور اسی برس آگرہ اخبار برقی پریس آگرہ میں ۳۴۴ صفحات پر چھپی۔ اور مولانا محمد فیض احمد اویسی رضوی کی ''بیت المقدس'' اشاعت ۱۴۲۵ھ/ ۲۰۰۴ء قطبِ مدینہ پبلشرز کراچی، صفحات ۲۱۰۔ نیز مدرسہ علیمیہ ناظم آباد کراچی کے سابق پرنسپل علامہ عمران نذر حسین کی انگریزی تصنیف کا ترجمہ، از محمد جاوید اقبال، بنام ''القدس اور اختتام وقت، قرآن کی روشنی میں'' جو مترجم نے دوسری بار ۲۰۱۰ء میں کراچی سے ۸۷؍ پر شائع کی۔

القدس الشریف پر اسرائیل کے غاصبانہ قبضے سے قبل اسلامیانِ پاک وہند کی جو اہم شخصیات یہاں حاضر ہوئیں، ان میں خواجہ حسن نظامی دہلوی ہیں جو ۴ تا ۲۳؍جولائی ۱۹۱۱ء بیت المقدس

میں مقیم رہے اور وہاں کے احوال سفر نامے میں درج کیے۔ [سفر نامہ خواجہ حسن نظامی، ص ۸۰ تا ۱۳۴] اور شاعر اسلام و مفکر پاکستان علامہ محمد اقبال نے دسمبر ۱۹۳۱ء کو القدس کانفرنس میں شرکت کی۔ جمعیت علماء پاکستان کے صدر مولانا محمد عبد الحامد قادری بدایونی اور مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی نیز مولانا عمر الٰہی دہلوی تینوں اکابر مئی ۱۹۶۱ء کو حاضر ہوئے [ممالک عربیہ اور ایران کا سفر نامہ، ص ۶ تا ۱۴] اور خطیب پاکستان مولانا محمد شفیع اوکاڑوی، ۳/ فروری ۱۹۶۲ء کو بیت المقدس پہنچے [راہِ عقیدت، ص ۷۹ تا ۸۹] مفسر و محدث مفتی احمد یار خان نعیمی ۲۴/ مئی ۱۹۶۴ء کو وارد ہوئے۔ [حضرت حکیم الامت کے سفر نامے، ص ۲۷۹ تا ۲۸۴]

۷...... کنیسۃ القیامۃ: جسے اردو میں کلیسائے مقبرہ مقدس اور انگریزی میں چرچ آف ہولی سپیکلر، جب کہ عربی میں کنیسۃ القیامۃ کہا جاتا ہے۔ عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو یہاں پر سولی دی گئی تھی اور یہیں قبر بھی ہے۔ ان کے مشہور فرقے اپنے اپنے طریقے سے اس کی زیارت و رسوم ادا کرنے دنیا بھر سے بکثرت آتے ہیں۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیت المقدس آئے تو اس کلیسا کا دورہ کیا، اسی دوران نماز کا وقت ہو گیا تو آپ باہر آ گئے اور کلیسا سے نزدیک زمین پر نماز ادا کی۔ سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ نے شہر فتح کیا تو اسی زمین پر مسجد تعمیر کرائی، جو مسجد عمر الخطاب نام سے موجود ہے۔ نیز سلطان نے عیسائیوں کے اس مقدس مقام و کلیسا کی چابی ایک مسلمان سادات گھرانے کے سپرد کی، جو آج ۸۳۵ سال بعد بھی اسی خاندان کے پاس ہے اور ۲۰۱۸ء میں سید لؤی بن سعید ہاشم جودہ یہاں کے کنجی بردار و دربان ہیں۔ خواجہ حسن نظامی نے کنیسہ القیامۃ کے اندرونی مناظر بیان کیے ہیں، نیز یوٹیوب پر مواد ہے۔
[بیت المقدس، از عبد القدیر، ص ۱۳۰ تا ۱۴۲/ سفر نامہ خواجہ حسن نظامی، ص ۸۲ تا ۸۴]

۸...... ناصرہ: سطح سمندر سے چار سو میٹر بلند، پہاڑوں میں گھرا تاریخی شہر، جو ۱۳ھ/ ۶۳۴ء میں صحابی سیدنا شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ نے فتح کیا۔ حضرت سیدہ مریم علیہا السلام و سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے تیس سال یہیں زندگی بسر کی۔ کلیسا البشارہ یہیں واقع، جس کی ایک غار میں سیدہ مریم علیہا السلام مقیم رہیں اور فرشتے نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کی بشارت دی۔ یہ عیسائیوں کے انتہائی اہم مقدس مقامات میں سے ہے۔ صلیبی جنگوں کے دوران یہ کبھی مسلمانوں اور کبھی عیسائیوں کی عمل داری میں رہا، تا آنکہ سلطان ظاہر رکن الدین بیبرس نے فتح کیا۔ کچھ عرصہ پھر سے صلیبی ہاتھوں میں چلا گیا اور ۶۹۱ھ/ ۱۲۹۲ء میں

سلطان خلیل بن قلاوون نے واپس لیا۔ متعدد تاریخی گرجا گھر ہیں اور ۱۹۶۵ء میں عرب آبادی پچیس ہزار تھی۔ ناصرہ سے تین میل فاصلہ پر گاؤں المشہد میں سیدنا یونس علیہ السلام سے منسوب قبر اور ناصرہ سے ہی تین کلومیٹر فاصلہ پر مقام الدحی میں صحابی سیدنا دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کا مزار ہے۔ یہ علاقہ ۱۹۴۸ء سے اسرائیل کے قبضہ میں ہے۔

[معجم بلدان فلسطین، ص ۶۷۹، ۷۰۲ تا ۷۰۴]

۹...... بیتِ لحم: بیت المقدس سے دس کلومیٹر جنوب میں انتہائی قدیم آبادی، جس کی وجہ شہرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی جائے ولادت ہونا ہے۔ جہاں کے ایک غار کے متعلق عیسائی مصادر میں ہے کہ اسی غار میں پیدا ہوئے۔ اس غار پر گرجا گھر ہے، جو روئے زمین پر قدیم ترین گرجا ہے۔ فتح بیت المقدس کے موقع پر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ یہاں ٹھہرے تھے اور اس گرجا کی بیرونی جانب نماز ادا کی تھی۔ تب سے عیسائی اس کے اندر اور مسلمان گرجا کے بالمقابل دونوں ادیان کے افراد آمنے سامنے عبادت کرتے چلے آرہے ہیں۔ خواجہ حسن نظامی کے مشاہدہ کے مطابق بیتِ لحم کا یہ گرجا اندر سے بہت شاندار اور بہت پرانا ہے۔ اور مفتی احمد یار خان نعیمی کے بقول بیت لحم میں دس فی صد مسلمان اور نوے فی صد عیسائی ہیں۔ سارے شہر میں صرف ایک جامع مسجد ہے اور میں نے آج تک ایسا خوب صورت گرجا نہیں دیکھا۔

۱۹۸۰ء میں آبادی پچیس ہزار اور یہ شہر سطح سمندر سے ۷۸۰ میٹر بلند، اور الخلیل سے ستائیس کلومیٹر فاصلے پر ہے۔ تعلیم کا رجحان عام، نیز سیاحت وصنعت میں نمایاں ہے۔ ۱۹۱۷ء تک یہ عثمانی سلطنت کا حصہ رہا، پھر برطانوی استعمار غالب آیا۔ بعدازاں ۱۹۵۱ء میں مملکت ہاشمیہ اردن میں شامل ہوا، تا آنکہ ۱۹۶۷ء کی جنگ میں اسرائیل نے قبضہ کرلیا۔ اور دسمبر ۱۹۹۵ء میں معاہدہ کے تحت نوزائیدہ ونیم خودمختار سلطنت فلسطین کے سپرد ہوا، اور آج بیت لحم اسی کی حدود میں ہے۔ یہودیوں نے بیتِ لحم اور اس کے نواح میں بعض تاریخی آثار تباہ کردیے، جن میں حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر وغیرہ شامل ہیں۔ اور بیتِ لحم نام کا ایک گاؤں حیفا کے نواح میں تھا، جس کی ۱۹۴۵ء میں آبادی ۳۷۰ تھی۔ یہودیوں نے یہ گاؤں صفحہ ہستی سے مٹا دیا۔ [راہِ عقیدت، ص ۸۶ تا ۸۷/ حضرت حکیم الامت کے سفرنامے، ص ۲۷۶ تا ۲۷۷/ سفرنامہ خواجہ حسن نظامی، ص ۹۶ تا ۹۸/ معجم بلدان فلسطین، ص ۱۹۹ تا ۲۰۰، نیز دیگر ماخذ]

۱۰...... الخلیل: مدینۃ الانبیاء علیہم السلام ''الخلیل'' بیت المقدس سے ۴۴ رکلومیٹر اور عمان سے

۱۲۸ر کلو میٹر، نیز سطح سمندر سے ۹۲۷ میٹر بلندی پر ہے۔ یہاں کے پھلوں میں انگور فلسطینی علاقوں میں اعلیٰ قسم کا ہے، نیز زیتون، انجیر، خوبانی بکثرت اور متعدد چشمے ہیں۔

یہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا وطن، نیز ان کی زوجہ سیدہ سارہ رضی اللہ عنہا، اور سیدنا اسحاق علیہ السلام کا وطن نیز ان کی اہلیہ سیدہ رفقہ رضی اللہ عنہا کے مزارات اس کے شمالی حصہ میں ہیں اور سیدنا یوسف علیہ السلام کا جسدِ اقدس نابلس کے نواح سے یہاں منتقل کیا گیا اور ان کے مزارات غار میں واقع، جن پر عمارت و گنبد ہیں، عثمانی عہد میں ان کی دیکھ بھال اور زیارت کا خاص اہتمام تھا۔

یہ مقام ''حرم ابراہیمی'' کہلاتا ہے۔ یہ شہر صحابی جلیل سیدنا تمیم بن اوس داری رضی اللہ عنہ (وفات ۴۰ھ/ ۶۶۰ء) کا وطن ہے۔ الخلیل ۹۲۲ھ/ ۱۵۱۷ء سے دسمبر ۱۹۱۷ء تک سلطنتِ عثمانیہ کا حصہ رہا۔ اور برطانوی استعماری دور کے بعد ۱۹۵۱ء میں اردن کی حدود میں شامل ہوا۔ تا آنکہ جون ۱۹۶۷ء میں اسرائیل نے الخلیل پر قبضہ کر کے حرم ابراہیمی کو یہودی عبادت گاہ میں تبدیل کرنے کی کوشش کی۔ ۱۹۹۷ء میں الخلیل کو اسرائیل اور سلطنت فلسطین کے درمیان دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ لیکن اسرائیلی ریاستی دہشت گردی اس مقدس شہر میں تھم نہیں پائی۔ ۱۹۸۰ء میں آبادی تقریباً پچاس ہزار تھی۔ [معجم بلدان فلسطین، ص ۳۴۵ تا ۳۶۴]

الخلیل کی علمی شخصیات میں قاری و مصنف شیخ عبدالکریم بن عبدالقادر الجعبری (وفات ۹۳۳ھ/ ۱۵۲۷ء) اور محدث و فقیہ شیخ غرس الدین بن محمد ازدی انصاری شافعی (وفات ۱۰۵۷ھ/ ۱۶۴۷ء) اور ان کے بھتیجے شیخ یاسین بن محمد خلیلی۔ اور دونوں مسجد نبوی مدینہ منورہ میں امام و خطیب و مدرس رہے۔ نیز مصنف و شاعر شیخ حسن بن علی قویدر ازہری قاہری (وفات ۱۲۶۲ھ/ ۱۸۴۶ء) کے علاوہ مفتی الخلیل شیخ خلیل بن عبدالرحمٰن تمیمی داری ازہری (وفات ۱۳۱۷ھ/ ۱۹۰۰ء) جو میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مختصر کتاب، نیز حرم ابراہیمی کے متعلق تحفۃ زوار من فی الغار من النبیین المرسلین المصطفین الاخیار کے مصنف تھے۔ اور مجاہد شیخ محمد صبری عابدین المقدسی ازہری (وفات ۱۳۸۱ھ/ ۱۹۶۱ء) جو حرم ابراہیمی میں مدرس اور الیھود و فلسطین وغیرہ کتب ہیں۔

خواجہ حسن نظامی دہلوی نے بتایا کہ ''حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مزار بہت بلند اور شان دار ہے۔ تقریباً تیس گز بلند اور اسی کے قریب طویل و عریض ہوگا۔ مزار پر آیاتِ کلام مجید سے کڑھا ہوا غلاف چڑھا رہتا ہے، جیسا کہ یہاں سب جگہ دستور ہے۔ مزار کے قریب زائرین نہیں جا سکتے،

چاندی کے جنگلہ کے باہر، جو مقفل رہتا ہے، فاتحہ پڑھتے ہیں۔ حضرت سارہ کے مزار پر سلطان عبدالحمید معزول شاہ ترکی کا کتبہ ہے، جس پر ۱۳۱۳ھ کندہ ہے‘‘۔ [سفرنامہ خواجہ حسن نظامی، ص۹۲] اور مولانا محمد عبدالحامد بدایونی کے بقول ’’سیدنا ابراہیم خلیل علیہ السلام کے مزار شریف کے سامنے فاتحہ شریف پڑھتے وقت عجیب قسم کا سرور رہا‘‘ [ممالک عربیہ اور ایران کا سفرنامہ، ص۱۲] مولانا محمد شفیع اوکاڑوی کے سفرنامہ میں ہے کہ ’’مزارات مبارکہ نہایت خوبصورت ہیں۔ ہر مزار پر سبز رنگ کے شنیل کے غلاف ہیں، جن پر بہت عمدہ زری کا کام کیا ہوا ہے اور اسی کے ساتھ قرآن کریم کی سورتیں، آیۃ الکرسی، اللہ تعالیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اسمائے مبارکہ بہترین خطاطی کے ساتھ لکھے ہوئے ہیں۔ زائرین یہاں کثرت سے آتے جاتے ہیں۔ ساتھ ہی نہایت عظیم الشان مسجد ہے، محراب و منبر شریف قابلِ دید ہیں۔ قیمتی قالین بچھے ہوئے ہیں۔ ماحول و منظر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انوار و تجلیات کی بارش ہو رہی ہے‘‘۔ [راہِ عقیدت، ص۸۳تا۸۴] اور مولانا مفتی احمد یار خان نعیمی نے آگاہ کیا کہ ’’الخلیل بستی بہت نورانی ہے، وہاں سے آنے کو دل نہیں چاہتا۔ تمام مزارات میں حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر شریف بہت خوبصورت ہے۔ مسجد الخلیل کے فرش کے کنارہ پر ایک چھوٹی سی چبوتری بنی ہے، جس کے وسط میں پیتل کی جالی ہے۔ وہ جگہ غار میں آر پار ہے۔ جالی سے جھانک کر دیکھا جائے تو خوب نیچے ایک چراغ جلتا نظر آتا ہے، جو زیتون کے تیل سے روشن رہتا ہے۔ اوپر سے کسی ذریعہ اٹھا کر اس میں زیتون کا تیل ڈال دیتے ہیں۔ غرضیکہ یہ جگہ بہت متبرک ہے۔ اَلَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ کا مظہر ہے۔ ہم نے نماز عصر مسجد خلیل میں پڑھی‘‘۔

[حضرت حکیم الامت کے سفرنامے، ص۲۷۸]

۱۱...... زخرون یعقوب: حیفا سے ۳۵ کلومیٹر فاصلہ پر گاؤں زمارین تھا، جو ۲۵۰ عرب باشندوں کی آبادی تھی، ۱۹۴۵ء میں اس کا وجود ختم ہو گیا۔ دسمبر۱۸۸۲ء میں رومانیہ سے کچھ یہودی خاندان فلسطین منتقل ہوئے، جو اسی گاؤں میں آباد کیے گئے۔ پھر اس کا نام زمارین کی بجائے زخرون یعقوب رکھ دیا گیا اور یہ ارضِ فلسطین پر سب سے قدیم مہاجر یہودی بستی ہے۔ اب آبادی ۳۵ ہزار کے قریب، جو اکثر امریکی و یورپی نژاد یہودی ہیں۔ [معجم بلدان فلسطین، ص۴۳۳، نیز انٹرنیٹ سے استفادہ]

۱۲...... امّ خالد: ایک عارفہ کاملہ خاتون سے منسوب گاؤں، جو وہیں پر مدفون ہیں۔ یہ طولکرم شہر سے چودہ کلومیٹر مغربی جانب اور سطح سمندر سے ۲۵ میٹر بلند ہے۔ تربوز اور

مالٹا کی پیداوار وذائقہ میں مشہور، اور کہا گیا کہ یہاں کا تربوز فلسطین بھر میں اعلیٰ درجے کا لذیذ اور بیروت وشام بھیجا جاتا تھا۔ نپولین بونا پاٹ کو عکا کے محاذ میں ہزیمت اٹھانا پڑی تو اس علاقے کو جلا کر خاک کردینے کا حکم دیا۔ عثمانی عہد میں حکام، القدس الشریف اور عکا جاتے ہوئے یہاں قیام کرتے۔ ۱۹۴۵ء میں عرب آبادی ۹۷۰ تھی، جنہیں یہودیوں نے نکال باہر کیا اور گاؤں کا نام ونشان مٹا کر یہاں کی زمینیں ۱۹۲۹ء میں آباد کیے گئے صہیونی شہر نا تانیا میں ضم کردیں۔ [معجم بلدان فلسطین، ص۱۲۴ تا ۱۲۵، ۶۹۹]

۱۳...... اِجلیل: عبدالجلیل نامی ولی اللہ سے منسوب گاؤں، جن کا مزار یہاں تھا۔ یہ گاؤں دو حصوں میں منقسم اور درمیانی فاصلہ نصف کلومیٹر تھا۔ یافا شہر سے چودہ کلو میٹر شمال مشرق اور سمندر سے دو کلومیٹر، جب کہ سطح سمندر سے ۲۵ تا ۳۰ میٹر بلندی پر آباد تھا۔ بکثرت کنوئیں تھے اور پھل اور سبزیاں پیدا کرنے میں نام تھا، نیز مچھلی کا شکار پیشہ تھا۔ ۱۹۴۹ء میں آبادی ۴۷۰ تھی اور ۱۹۴۸ء میں یہودیوں نے قبضہ کر کے مقامی باشندوں کو مار بھگایا اور گاؤں کو ہموار کر کے یہاں نئی یہودی بستی جلیلوت نام سے تعمیر کردی۔

[معجم بلدان فلسطین، ص۱۰۰]

۱۴...... تِل ابیب: فلسطین کے شہر ''یافا'' کی تاریخ چار ہزار پانچ سو سال قدیم ہے۔ یہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دَور میں اسلامی سلطنت کا حصہ بنا۔ بیت المقدس سے پچپن کلو میٹر فاصلہ پر ہے۔ ۱۸۸۶ء میں یافا کے یہودیوں نے شہر کے شمال میں اپنے خاص محلّہ کی بنیاد رکھی، جو حارۃ الیھود، یہودیوں کا محلّہ کہلانے لگا۔ ۱۹۰۹ء میں مزید ساٹھ یہودی خاندانوں نے اس محلّہ میں زمین خرید کر سکونت اختیار کی، نیز اپنا اسکول بنایا۔ اب اس محلے کو ''تِل ابیب'' نام دیا گیا، جس میں یہودی آبادی کا اضافہ ہوتا گیا، تا آنکہ ۱۹۲۱ء میں برطانوی استعمار نے اسے یافا سے الگ حیثیت دے کر بلدیہ کا درجہ دیا۔ اسرائیلی صہیونی ریاست قائم کی گئی تو ۱۹۵۴ء میں یافا شہر کو اس میں ضم کر کے تِل ابیب قرار دیا گیا۔ ۱۹۴۵ء میں یافا کی آبادی ۶۶۳۱۰ تھی اور صہیونی قبضہ وتسلط کے بعد ان میں عرب باشندے محض چار ہزار رہ گئے۔ ۱۹۶۵ء میں آبادی دو لاکھ، جن میں عرب دس ہزار تھے۔

[معجم بلدان فلسطین، ص۲۲۸، ۲۶۷ تا ۲۷۷]

مدینۃ یافا فی ذاکرۃ التاریخ کے مصنف جو الدجانی حسینی خاندان کے فرزند اور وطن فلسطین پر متعدد کتب کے مصنف ہیں۔ ان کے بقول ۱۹۳۴ء میں مسلمانانِ ہند کے اہم رہنما

مولانا محمد علی جوہر نے وفات پائی تو بیت المقدس میں تدفین کے لیے ان کے بھائی مولانا شوکت علی جسد خا کی لے کر بندرگاہ یافا پہنچے تو یہاں کے معروف خاندان الدجانی نے ان کے اعزاز میں تقریب اور کھانے کا اہتمام کیا۔ اس موقع پر مفتیٔ اعظم فلسطین الحاج امین الحسینی بھی موجود تھے۔ اس اجتماع میں مولانا شوکت علی نے خطاب کیا، جس میں اہلِ فلسطین سے یک جہتی کا اظہار اور معاہدہ بالفور کی مذمت کی، ان کی تقریر و گفتگو کے دوران عجاج نویھض عربی ترجمان تھے۔ [مدینۃ یافا فی ذاکرۃ التاریخ، ص۱۸۸ تا ۱۸۹]

معلوم رہے عجاج نویھض (وفات ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء) لبنان کے باشندے، سیاسی رہنما، ادیب و مؤرخ، مصنف و مترجم اور دُرزی المذہب تھے۔ ۱۹۲۰ء سے کچھ عرصہ بعد سے ۱۹۴۸ء تک تقریباً پچیس برس بیت المقدس میں مقیم اور صہیونی عزائم کے خلاف سرگرم رہے۔ رجال من فلسطین کما عرفتھم، فتح القدس وغیرہ تصنیفات ہیں، نیز امریکی مصنف کی کتاب کا حاضر العالم الاسلامی نام سے عربی میں ترجمہ کیا۔

۱۵...... عتلیت: یہ حیفا شہر سے جنوب میں تیرہ کلومیٹر فاصلہ پر مصر جانے والی ریلوے لائن کے ساتھ قدیم گاؤں ہے، جو ۵۸۳ھ/ ۱۱۸۷ء میں سلطان صلاح الدین ایوبی کی فتوحات میں سے ہے۔ اور پھر سے صلیبی غالب آئے تو سلطان ظاہر بیبرس نے واپس لیا۔ صلیبیوں کے ہاتھوں یہ تباہ حال رہا اور ۶۹۵ھ/ ۱۲۹۶ء میں بعض خاندان یہاں آئے اور رونق پھر سے بحال ہوئی۔ ۱۹۰۳ء میں صہیونیوں نے اس کے نواح میں اسی نام سے یہودی بستی آباد کی۔ بعد ازاں یہاں کے قدیم باشندوں کو نکال باہر کیا اور قدیم گاؤں کا نام و نشان مٹا دیا۔ [معجم بلدان فلسطین، ص۵۱۸ تا ۵۱۹]

۱۶...... صرفند: حیفا سے پچیس کلومیٹر جنوب میں گاؤں، جو سمندر سے ۱۲۵۰ میٹر فاصلہ پر اور سطحِ سمندر سے ۲۵ میٹر بلند ہے۔ زراعت اور مویشی پالنا، نیز سمندری پانی سے نمک نکالنا مقامی آبادی کے پیشے تھے۔ ۱۹۴۵ء میں آبادی ۲۹۰ تھی، جنہیں ۱۹۴۸ء میں دشمن نے بھگا کر گاؤں کے شجر و حجر منہدم کر دیے۔ اور اسی زمین پر الجزائر سے لائے گئے یہودیوں کی بستی بنادی۔ [معجم بلدان فلسطین، ص۴۸۳]

۱۷...... لاذقیہ: ملکِ شام کا ہزاروں سال پرانا ساحلی شہر و بندرگاہ، جو دارالحکومت دمشق سے تقریباً تین سو کلومیٹر فاصلہ پر پانچواں بڑا شہر ہے۔ یہ ۱۶ھ/ ۶۳۷ء میں فتح ہوا۔ ۲۰۰۸ء میں آبادی بارہ لاکھ کے قریب تھی۔ قومی عجائب گھر اہم، نیز آثارِ قدیمہ ہیں۔

۱۸...... بلد الشیخ: عثمانی خلیفہ سلیم اوّل (وفات ۹۲۶ھ/ ۱۵۲۰ء) کے دَور میں اس آبادی میں شیخ سہلی نامی ایک صوفی کامل تھے، انہی کی نسبت سے یہ گاؤں بلد الشیخ کہلایا۔ یہ حیفا سے جنوب مشرق میں پانچ کلومیٹر دُور اور ۱۹۴۵ء میں آبادی ۴۱۲۰ رہی۔ کنوؤں کی کثرت اور پھل دار درخت زیتون وغیرہ نیز گندم پیداوار ہیں۔ زیتون کا تیل نکالنے کے لیے چکی تھی، جو ہاتھوں یا جانور کی مدد سے چلتی تھی۔ عثمانی عہد سے اسکول ہے۔ ۱۹۴۸ء میں صہیونیوں نے تمام باشندوں کو باہر نکال کر گھر مسمار کر دیے اور ۱۹۴۹ء میں یہودی بستی آباد کر کے نیا نام دیا۔ لیکن مجاہد کبیر شیخ عز الدین القسام شہید کی قبر کے باعث بلد الشیخ آج بھی جانا جاتا ہے۔

[معجم بلدان فلسطین، ص۱۶۶ تا ۱۶۷]

۱۹...... مفتیٔ حیفا شیخ محمد مراد (وفات ۱۳۴۷ھ/ ۱۹۲۹ء) نے جامعہ ازہر قاہرہ میں تعلیم پائی، پھر عثمانی دار الخلافہ استنبول گئے اور حیفا شہر کے مفتی منتخب ہوئے۔ نیز جمعیة الاسلامیة حیفا کے صدر اور المجلس الشرعی الاسلامی الاعلیٰ فلسطین کے رکن تھے اور مسجد استقلال حیفا کی تعمیر و دیگر معاملات میں نمایاں حصہ لیا۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران سماجی خدمات میں سرگرم رہے۔ ترکی میں یورپ و ایشیا کو منسلک و جدا کرنے والے درّۂ دانیال پر جنگِ عظیم کے دوران اتحادیوں سے تنازع کے متعلق خلیفہ عثمانی کے نمائندہ وفد میں درّۂ دانیال تشریف لے گئے۔ شام و عراق کے حکمران سید فیصل اوّل بن حسین حسنی ہاشمی کے دورِ حکومت میں آپ کو ایوارڈ پیش کیا گیا۔ مسجد اقصیٰ و گنبد صخرہ کی مرمت و تعمیرِ جدید میں مالی تعاون کے لیے حجازِ مقدس نیز ہندوستان کا سفر کیا۔ اس مقصد کے لیے مذکورہ مجلس کے صدر الحاج مفتی سید محمد امین الحسینی نے شیخ محمد مراد کی سرپرستی میں تین رکنی وفد تشکیل دیا، مسجد اقصیٰ کے امام و خطیب شیخ ابراہیم انصاری شہید (وفات ۱۳۵۵ھ/ ۱۹۳۷ء) اور جمعیة الاسلامیة المسیحیة الفلسطینیة کی غزہ شاخ کے جنرل سیکرٹری سید جمال الحسینی (وفات ۱۴۰۲ھ/ ۱۹۸۲ء) وفد کے رکن تھے، جنھوں نے نومبر ۱۹۲۳ء تا جون ۱۹۲۴ء ہندوستان کا دورہ و قیام کیا۔ علاوہ ازیں حیفا میں بچوں اور بچیوں کے لیے اسلامی مدرسہ، نیز اسلامی ڈسپنسری اور جمعیة الاسلامیة قائم کیں۔ اور مصر میں منعقدہ خلافت کانفرنس میں شرکت و نمائندگی کی۔

شیخ محمد مراد نے دل کا دورہ پڑنے سے پچاس سال کی عمر میں عید الفطر کے روز وفات پائی اور دوسرے روز نماز جنازہ ادا کی گئی۔ جس میں مجاہد کبیر شیخ عز الدین القسام شہید اور

علاقہ بھر کے علماء ومشائخ نیز اعیان اور دیگر شہروں بیت المقدس، یافا، غزہ، الخلیل، طول کرم، جنین، نابلس، ناصرہ، طبریہ، صفد، عکا، بیسان اور صیدا وغیرہ سے آئے وفود نے شرکت کی۔ جنازہ کی چارپائی وفود کے لائے پھولوں سے لد گئی اور مسجد استقلال میں نماز جنازہ کے بعد علماء نے خطاب کیا اور آپ کو خراج تحسین پیش کیا۔ جنازہ کا اتنا بڑا جلوس واجتماع حیفا میں دیکھنے میں نہیں آیا اور مسیحی برادری نے بھی غم وحزن کے اظہار میں بھرپور شرکت کی۔ اور راستے کھلے رکھنے کے لیے پولیس سرگرم رہی۔ ریلوے لائن کے نزدیک قبرستان میں تدفین ہوئی اور اخبارات میں تعزیتی کلمات شائع ہوئے۔ [اُسطور، شمارہ جنوری ۲۰۱۹ء، ص ۱۱۱ تا ۱۱۲/ الجامعة العربية، شمارہ ۱۸/مارچ ۱۹۲۹ء، ص ۱ تا ۳]

۲۰......رشید بن الحاج ابراہیم (وفات ۱۳۷۲ھ/۱۹۵۳ء) حیفا فلسطین میں پیدا ہوئے اور اُردن کے دارالحکومت عمان میں وفات پائی، شام کے دارالحکومت دمشق میں تدفین ہوئی۔ اقتصادی ماہر، مجاہد، سیاسی رہنما اور صحافت سے تعلق تھا۔ ترکی زبان پر عبور حاصل تھا۔ حیفا اور بیت المقدس میں تعلیم حاصل کی، پھر حجاز ریلوے کے حیفا سٹیشن میں ملازم ہوئے تا آنکہ ۱۹۱۷ء میں برطانوی استعمار علاقے پر غالب آیا تو بھائی کے ساتھ مل کر تجارت شروع کی۔ ۱۹۲۴ء میں مسجد اقصیٰ کی مرمت وتزئین میں مالی تعاون کی غرض سے وفد کے ہمراہ متعدد عرب ممالک کا دورہ کیا۔ اسی برس دوستوں کے ساتھ مل کر حیفا سے اخبار "اليرموك" جاری کیا، جس کا پہلا شمارہ ۳۱/اگست ۱۹۲۴ء کو سامنے آیا اور ۱۹۳۳ء میں اشاعت رک گئی۔ ۱۹۲۸ء تا ۱۹۳۲ء جمعية الشبان المسلمين کی حیفا شاخ کے پہلے صدر رہے، بعد ازاں مجاہد کبیر شیخ عز الدین القسام جمعیت کے صدر ہوئے، جن سے گہرا تعلق رہا۔ نیز جمعية الاسلامية حیفا کے صدر رہے۔ ۱۹۳۰ء میں عرب بنک حیفا کے اور ۱۹۴۰ء میں امہ عربیہ بنک بیت المقدس کے مینجر رہے۔ ۱۹۳۲ء میں قائم ہوئی حزب الاستقلال حیفا کے بانی رکن تھے۔ ۱۹۳۴ء میں بلدیہ حیفا کے رکن منتخب ہوئے۔ برطانوی استعمار کے خلاف سرگرمیوں اور سیاسی عمل میں، نیز ۱۹۱۹ء تا ۱۹۲۹ء صہیونی عزائم کو بے نقاب کرنے والی عرب دنیا کی مشترکہ سیاسی کارروائیوں میں حصہ لیا۔ ۱۹۳۵ء میں بیت المقدس میں علماء فلسطین کی منعقدہ کانفرنس میں حاضر ہوئے۔ اور ۱۹۳۶ء میں حیفا میں حکومت کے اقدامات کے خلاف ہڑتال منظّم کرنے اور قائدین میں سے تھے۔ ۱۵/جون ۱۹۳۶ء کو گرفتار کیے گئے اور ۲۳/اکتوبر کو رہائی ملی۔

۲۶؍ستمبر ۱۹۳۷ء کو دوبارہ ساتھیوں سمیت گرفتار وقید کیے گئے، اب ۱۹۳۸ء کے آخر میں رہا کر کے افریقی ملک جزائر سیشیلز جلا وطن کیے گئے، جہاں سے اپریل ۱۹۴۰ء میں واپس فلسطین آئے۔ ۱۹۴۸ء کی تباہی کے دوران قومی کمیٹی حیفا کے صدر تھے۔ اور ۲۳؍اپریل کو یہودیوں نے حیفا پر قبضہ کرلیا، تو وہاں کی صورتِ حال پر آگاہ کرنے کے لیے پڑوسی ممالک جا کر حکام سے ملے۔ بقیہ زندگی عمان میں رہے۔ آپ کی یادداشتیں ''الدفاع عن حیفا و قضیة فلسطین، مذکرات رشید الحاج ابراهیم'' کے نام سے وفات کے نصف صدی بعد مشہور فلسفی ومؤرخ ولید الخالدی (پیدائش ۱۳۴۴ھ/ ۱۹۲۵ء) کی تقدیم کے ساتھ موسّة الدراسات الفلسطينية بیروت نے پہلی بار ۲۰۰۵ء میں ۳۸۹ صفحات پر شائع کیں۔

۲۱...... شفا عمرو: حیفا سے بائیس کلومیٹر مشرقی جانب ہے۔ سطح سمندر سے ایک سو میٹر بلند اور زیتون ومالٹا کی پیداوار میں نام ہے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی صلیبی جنگوں کے دوران عکا میں موجود فرنگیوں کا محاصرہ کرنے کے لیے آگے بڑھتے ہوئے شفا عمرو میں ٹھہرے تھے۔ یہاں کا ایک قلعہ بھی مشہور ہے جو عثمان ظاہر نے ۱۱۸۲ھ/ ۱۷۷۱ء میں تعمیر کرایا تھا۔ ۱۹۱۰ء میں قلعہ کے بعض اجزاء توڑ کر ان پتھروں سے مدرسہ تعمیر کیا گیا۔ ۱۹۶۸ء میں آبادی دس ہزار تھی، جو مسلمان، عیسائی اور دُرزی تھے۔

[معجم بلدان فلسطین، ص ۴۷۱ تا ۴۷۴]

۲۲......طول کرم: حیفاء وسیناء کو ملانے والی ریلوے لائن سے جڑا فلسطین کا قدیم شہر، جو ساحلِ سمندر سے پندرہ کلومیٹر دور اور سطح سمندر سے 125.55 میٹر بلندی پر، جب کہ جنین شہر سے ۵۳ کلومیٹر اور اریحا سے ایک سو کلومیٹر فاصلے پر ہے۔ باغات، مالٹا اور دیگر فصلیں پیداوار ہیں۔ عثمانی سلطنت کے اس خطہ سے خاتمہ کے بعد ۲۰؍ستمبر ۱۹۱۸ء کو برطانوی استعمار کے تحت رہا، پھر اردن کا حصہ بنا، تا آنکہ ۱۹۶۷ء تا ۱۰؍اکتوبر ۱۹۹۶ء اسرائیل قابض رہا۔ اب نیم خود مختار ریاست فلسطین کے مغربی کنارہ میں شامل ہے۔ ۱۹۶۷ء میں لڑکوں کے آٹھ اور لڑکیوں کے سات اسکول تھے۔ اس شہر میں متعدد سیاسی قد آور شخصیات اور علماء، ادباء وشعراء نیز صحافی ہو گزرے۔ ۱۹۸۰ء میں آبادی تیس ہزار رہ گئی۔ ایک معاہدے کے تحت اس کی وسیع اراضی دشمن کے سپرد کردی گئی۔

[معجم بلدان فلسطین، ص ۵۰۷ تا ۵۰۹/ نیز انٹرنیٹ]

۲۳…… مفتیٔ اعظم لبنان شیخ محمد توفیق بن عمر خالد عباسی (وفات ۱۳۷۰ھ/ ۱۹۵۰ء)
بیروت میں پیدا ہوئے، وہیں وفات پائی اور قبرستان امام اوزاعی میں قبر بنی۔ اسی شہر کے اکابر علماء سے تعلیم و تربیت پائی، پھر یہیں پر استاذ و مدرس ہوئے۔ ۱۳۱۸ھ/ ۱۹۰۰ء میں توفیق اسلامی مدرسہ قائم کیا اور ۱۳۲۷ھ/ ۱۹۱۹ء میں محکمۂ عدل سے وابستہ ہو گئے اور بتدریج قاضی ہوئے۔ اسی کے ساتھ مسجد عمری میں مدرس اور مسجد البسطة الفوقا میں خطیب جمعہ تھے۔ تا آنکہ ۱۳۵۰ھ/ ۱۹۳۲ء میں شیخ مصطفیٰ نجا نے وفات پائی تو ان کی جگہ مفتیٔ اعظم منتخب ہوئے۔ نیز قاضی القضاۃ کے منصب پر پہنچے۔ علم الفرائض کے عظیم ماہر تھے۔ اور شریعہ کالج بیروت قائم کیا، جہاں جلیل القدر علماء تیار ہوئے اور لبنان کی جامعہ ازہر کہلایا۔ [دار الفتویٰ لبنان کی ویب سائٹ سے ماخوذ]

۲۴…… صبحي بن سعید الخضراء (وفات ۱۳۷۴ھ/ ۱۹۵۴ء) فلسطین کے شہر صفد میں پیدا ہوئے، دمشق شام میں وفات پائی، وہیں قبر بنی۔ مجاہد، سیاسی قائد، وکیل تھے۔ وطن صفد کے بعد بیت المقدس اور بیروت میں تعلیم پائی۔ پھر ملٹری کالج استنبول میں تربیت کے بعد عثمانی فوج میں افسر ہوئے۔ بعد ازاں ترک کر کے عرب قوم پرست سرگرمیوں میں نمایاں رہے اور شام و اردن، نیز عراق میں اعلیٰ مناصب پر فائز رہے تا آنکہ ۱۹۲۵ء میں واپس فلسطین آ گئے، جہاں سے ۱۹۲۷ء تک پولیس میں رہے۔ ۱۹۳۲ء میں بیت المقدس کے کالج سے وکالت کا امتحان پاس کیا، نیز سیاسی اعمال میں نمایاں رہے۔ مفتی فلسطین و مجاہد الحاج سید امین الحسینی کی طرف سے ۱۹۳۲ء تا ۱۹۳۴ء محکمۂ اوقاف عکا کے مدیر اور ۱۹۳۵ء میں اوقاف کے قانونی امور کی ذمہ داری سونپی گئی۔ ۱۹۳۶ء پھر ۱۹۳۷ء میں برطانوی استعمار نے گرفتار کیا اور پھر تیسری بار بیت المقدس، عتلیت نیز عکا کی جیلوں میں بند رہے۔ رہائی ملی تو القدس الشریف میں نظر بند کیے گئے اور وطن صفد جانے پر پابندی عائد کر دی گئی۔ بعد ازاں وکالت کا پیشہ اپنایا۔ اور ۱۹۴۷ء میں عرب لیگ کے عسکری شعبہ میں فلسطین کے نمائندہ تعینات ہوئے۔ نکبہ فلسطین کے بعد دمشق آ گئے، جہاں فلسطینی مہاجرین امور سے متعلق محکمہ کے اکتوبر ۱۹۴۹ء تا فروری ۱۹۵۰ء مدیر رہے۔ پھر وکالت کے میدان میں آ گئے۔ [مجلة الدراسات الفلسطينية، شمارہ نمبر ۵۹، بابت ۲۰۰۴ء، مصطفیٰ عباسی کا مضمون ''صبحي الخضراء، سيرة قائد من صفد'' ص ۴۱ تا ۵۳]

۲۵…… زرقا: مملکت ہاشمیہ اردن کا شہر، جو دار الحکومت عمان سے تقریباً تیس کلومیٹر فاصلے پر

اور سطح سمندر سے ۶۱۹ میٹر بلند ہے۔

۲۶...... اریحا: بیت المقدس سے ۲۷ کلومیٹر شمال شرق میں اور بحر مردار سے پانچ کلومیٹر اور شاہ حسین پُل سے دس کلومیٹر پر انسانی تہذیب کا قدیم ترین شہر ہے۔ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں یہ اردن کے علاقے میں اہم زرعی شہر اور کھیتوں، گنے کی فصل، کیلا و کھجور کے باغات سے گھرا ہوا تھا۔ پھر اٹھارہویں صدی میں اس کی حیثیت ایک چھوٹے اور پس ماندہ گاؤں کی سی ہوگئی۔ بیسویں صدی میں بیت المقدس سے کچھ لوگ یہاں آئے اور اسے زرعی پہلو سے پھر آباد کیا۔ ۱۹۴۸ء کے بعد جب مہاجرین کی بڑی تعداد نے یہاں کا رخ کیا تو اہمیت مزید بڑھی۔ پانی کے چشمے اور کیلا، مالٹا، کھجور کی پیداوار وافر ہے۔ یہ ۱۹۴۹ء سے ۱۹۶۷ء تک مملکت ہاشمیہ اردن کی حدود میں تھا۔ پھر ۱۹۹۴ء تک اسرائیل قابض رہا اور اب محدود تسلیم شدہ ریاست فلسطین میں شامل ہے۔

[معجم بلدان فلسطین، ص ۱۱۱ تا ۱۱۲/ نیز اخبارات سے استفادہ]

۲۷......خان احمر: بیت المقدس سے پندرہ کلومیٹر فاصلہ پر یہ گنوار بدوؤں کی چھوٹی سی بستی ہے، جو خیموں اور چھوٹی غاروں میں رہتے ہیں اور ۱۹۳۱ء میں آبادی ۳۷ افراد پر مشتمل تھی، جو ۲۰۱۸ء میں بڑھ کر ۱۷۳ ہوئی، جن میں ۹۲ بچے تھے۔ ۱۹۶۷ء میں اسرائیل نے قبضہ کر کے ۱۹۷۷ء میں اس کے نزدیک یہودی بستی تعمیر کر دی۔ یہ بستی اب اسرائیل کی غاصبانہ کارروائیوں کے تسلسل میں عالمی توجہ کا مرکز ہے۔ اس کا آغاز ۲۰۰۰ء میں ہوا، جب حکم جاری کیا گیا کہ خان احمر میں وہی آدمی داخل ہو سکتے ہیں، جو یہاں کے رہائشی یا ان کے رشتہ دار و قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں۔ پھر ۲۰۱۰ء میں اسرائیل کی سول انتظامیہ کے متعلقہ محکمہ نے اس بستی کے وجود کو غیر قانونی تعمیرات قرار دے کر مسمار کرنے کا حکم دیا۔ ۲۰۱۲ء میں صہیونی حکومت نے اعلان کیا کہ یہاں کے باشندوں کو اریحا منتقل کیا جائے گا۔ ۲۰۱۵ء میں ایک فلسطینی تنظیم نے بستی کو بجلی کے لیے سولر سسٹم عطیہ کیا، جسے فعال نہیں ہونے دیا گیا۔ مئی ۲۰۱۸ء میں اسرائیلی عدالت نے بستی کو جبراً ہٹانے کی دلیل کو بے بنیاد قرار دے کر روک لگا دی، لیکن ۵ ستمبر کو اعلیٰ عدالت نے ایک ہفتے کے اندر منہدم کرنے حکم دیا۔ ادھر فلسطینی ریاست کی کابینہ نے جولائی ۲۰۱۸ء میں اس مسئلہ پر نظر رکھنے کے لیے خان احمر کمیٹی تشکیل دینے کی منظوری دی۔ لیکن مقامی آبادی کا اپنے حقوق کی حفاظت کے لیے کھڑے رہنا اور فلسطینی تنظیموں

وغیرہ کے افراد کا وہاں خیمہ زن ہو کر احتجاج میں شرکت، عرب دنیا، یورپی یونین، ایمنسٹی انٹرنیشنل اور اقوام متحدہ کی انسانی حقوق کمیٹی کے عالمی دباؤ کی وجہ سے صہیونی ریاست اپنے ارادوں میں کامیاب نہ ہوسکی، تاہم ٹکراؤ اور گرفتاریوں کا سلسلہ جاری ہے۔ ۲۲/جنوری ۲۰۲۳ء کو انتہا پسند جماعت سے تعلق رکھنے والے صہیونی وزیر داخلہ نے خان احمر کو فوری طور پر خالی کرانے کا کابینہ میں اعلان کیا۔

[معجم بلدان فلسطین، ص ۳۱۱ تا ۳۱۲/ نیز اخبارات سے استفادہ]

۲۸...... رملہ: معلوم رہے رملہ اور رام اللہ ارضِ فلسطین پر دو الگ شہر ہیں۔ رام اللہ تا بیت المقدس فاصلہ سولہ کلو میٹر جب کہ رملہ شہر ۴۵ کلو میٹر دُور اور سطح سمندر سے ۱۰۸/میٹر بلند ہے۔ رام اللہ اس وقت فلسطینی ریاست کے مغربی کنارہ میں شامل اور دارالحکومت ہے، جب کہ رملہ پر اسرائیل کا بارہ جولائی ۱۹۴۸ء سے قبضہ جاری ہے۔ رملہ کو جغرافیائی پہلو سے فلسطین کے متعدد شہروں کو آپس میں ملانے والے مرکزی شہر اور پُل کی سی حیثیت حاصل ہے۔ اور تاریخی شہر الــلُــد، رملہ سے محض پانچ کلو میٹر مغرب میں ہے، جہاں کے دروازے پر سیدنا عیسیٰ علیہ السلام دجال کو قتل کریں گے۔ رملہ کو اموی خلیفہ سلیمان بن عبدالملک (وفات ۹۹ھ/ ۷۱۷ء) نے آباد کیا۔ اور یہاں مسجد الابیض تعمیر کرائی، جسے فرنگیوں نے مسمار کردیا اور سلطان صلاح ایوبی نے پھر سے بنوائی اور سلطان ظاہر بیبرس نے جدید تعمیر کرائی، اب صرف چند دیواریں باقی ہیں۔ اس مسجد کے صحن کے نیچے غار میں نبی اللہ سیدنا صالح علیہ السلام کی قبر واقع ہے۔ جہاں اپریل میں عرس منعقد ہوتا ہے، جس میں مسلمان و عیسائی شریک ہوتے ہیں۔ نیز صحابی سیدنا فضل بن عباس رضی اللہ عنہما (وفات ۱۳ھ/۶۳۴ء) میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں معرکہ اجنادین میں شہید ہوئے، ان کی قبر بھی رملہ میں ہے۔ اس شہر میں مختلف ادوار میں ۳۵ سے زائد مسلم مشاہیر، علماء، ادباء و شعراء وغیرہ ہو گزرے۔ ۱۹۷۳ء میں رملہ کی آبادی چھتیس ہزار تھی، جن میں عرب باشندے محض چار ہزار آٹھ سو تھے۔

[معجم بلدان فلسطین، ص ۴۰۸ تا ۴۰۹، ۴۱۷ تا ۴۲۲، ۷۰۷]

۲۹...... نابلس: دنیا کے قدیم ترین شہروں میں سے ایک ہے، جو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی قیادت میں فتح ہوا۔ یہ دو پہاڑوں کے اوپر آباد، جن کے درمیان وادی ہے۔ شہر کی آبادی سطح سمندر سے ۵۵۰ میٹر بلند

اور یہ پہاڑ ۹۴۰، نیز ۸۰۷ میٹر بلند ہیں۔ بیت المقدس سے ۶۹ کلومیٹر اور عمان سے ۱۱۴، جب کہ سمندر سے ۴۲ کلومیٹر فاصلہ پر ہے۔ یہاں بیس سے زائد پانی کے چشمے اور زیتون کی پیداوار میں مشہور اور سیاحوں، نیز مؤرخین کی توجہ کا مرکز رہا اور بعض مؤرخین نے اسے چھوٹا دمشق قرار دیا۔ اس میں مختلف ادوار میں متعدد اکابر علماء، ادباء وسیاسی شخصیات ہوگزریں۔ نابلس کے باشندوں نے نپولین بوناپارٹ، پھر بیسویں صدی کے آغاز میں برطانوی استعمار اور پھر صہیونی غاصب کے خلاف جہاد میں بھرپور حصہ لیا، جس باعث اس شہر کو جبل النار کہا گیا۔ یہاں ایک مسجد ''جامع حزن یعقوب'' ہے، جس کے بارے میں مشہور ہے کہ سیدنا یعقوب علیہ السلام اپنے فرزند سیدنا یوسف علیہ السلام کی یاد میں غم زدہ یہاں بیٹھے۔ ایک اور مسجد ''جامع الانبیاء'' نام کی ہے، جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ سیدنا یعقوب علیہ السلام کی اولاد یہاں دفن ہے۔ اسی طرح ایک کنواں ''بئر الانبیاء'' نام سے موسوم ہے۔ یہ شہر برطانوی استعمار کے علاقہ سے نکلنے کے بعد اُردن کی حدود میں شامل تھا۔ پھر ۱۹۶۷ء کی جنگ میں اسرائیل نے مغربی طاقتوں کی مدد وسرپرستی میں نابلس سمیت مغربی کنارہ کے سارے علاقے پر قبضہ کرلیا۔ تا آنکہ معاہدے کے تحت ۱۰/ دسمبر ۱۹۹۵ء کو محدود تسلیم شدہ ریاست فلسطین کے سپرد کیا گیا۔

[معجم بلدان فلسطین، ص ۶۹۷ تا ۷۰۱/ نیز اخبارات سے استفادہ]

۳۰......سید عبدالقادر حسینی (وفات ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء) بیت المقدس میں پیدا ہوئے اور ۱۹۳۴ء میں قاہرہ کی امریکی یونی ورسٹی میں تعلیم مکمل کی، لیکن یونی ورسٹی کے بعض ذمہ داران کے اسلام اور اسلامی تہذیب کے خلاف رویہ وموقف کی وجہ سے اسناد تقسیم کی تقریب میں سند قبول کرنے سے انکار کرتے ہوئے اسے مَسل کر پھینک دیا۔ وطن واپس آئے تو انگریز استعمار کے خلاف جہادی سرگرمیوں میں نمایاں حصہ لیا۔ ۱۹۳۶ء میں بیت المقدس سے بارہ کلومیٹر فاصلہ پر گاؤں الخضر کے مشہور معرکہ میں شریک تھے، جس میں مشہور انقلابی ومجاہد سعید العاص ۶/ اکتوبر کو شہید ہوئے اور سید عبدالقادر حسینی زخمی ہوئے، پھر علاج کی غرض سے دمشق منتقل کیے گئے۔ دوسری جنگِ عظیم برپا ہوئی تو بغداد پہنچے، جہاں فوجی اسکول میں داخلہ لیا، پھر جرمنی میں چھاپہ مار جنگ کی تربیت پائی۔ کچھ عرصہ عراقی فوج میں شامل رہے۔ ۱۹۴۱ء میں عراق میں انقلاب کی کوشش ہوئی تو اس میں شرکت کے الزام میں دوسال قید رہے۔ پھر حجازِ مقدس

کی راہ لی، جہاں ڈیڑھ سال قیام کے بعد مصر اور پھر وطن فلسطین پہنچے اور یہودیوں کے عزائم کو ناکام بنانے کے لیے جہادی کارروائیوں میں صف اوّل میں کھڑے رہے۔ دمشق جا کر اسلحہ جمع کر رہے تھے کہ القسطل پر قبضہ کی اطلاع ملی تو فوراً واپس آئے اور وہاں معرکہ برپا کیا، جس دوران محاصرے میں آ گئے اور ۸/اپریل کو شہادت مقدر ٹھہری۔ آپ کے ساتھی جسد خاکی کو القسطل سے بیت المقدس لے آئے، جہاں مسجد صخرہ میں نمازِ جنازہ اور مسجد اقصیٰ کے پہلو میں والد سید موسیٰ کاظم حسینی کی قبر کے ساتھ تدفین ہوئی۔ [الاعلام، ج ۴، ص ۴۷ تا ۴۸/ معجم بلدان فلسطین، ص ۳۴۲، ۶۰۶]

۳۱...... القسطل: بیت المقدس سے مغربی سمت میں دس کلومیٹر فاصلہ پر گاؤں، جہاں رومن عہد سے چھوٹا قلعہ تھا، پھر صلیبی جنگوں میں بھی اس کی اہمیت رہی۔ قلعہ کے باعث یہاں گاؤں آباد ہو گیا، جو القسطل کہلایا۔ ۱۹۴۵ء میں آبادی ۹۰/افراد تھی، جو سب مسلمان تھے۔ دشمن صہیونی نے مالکان کو باہر نکال کر گاؤں منہدم کر دیا اور ۱۹۴۸ء میں اسی جگہ یہودی بستی بنا دی۔ [معجم بلدان فلسطین، ص ۶۰۵ تا ۶۰۶]

۳۲...... عکا: تقریباً تین ہزار سال قبل مسیح میں آباد ہوا۔ اور ۱۶ھ میں سیدنا شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں فتح ہوا۔ ۲۰ھ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے بحری جہاز بنانے کا کارخانہ بنوایا اور ۲۸ھ میں یہیں سے جزیرہ قبرص پر پہلا حملہ کیا گیا۔ یہاں کے حکمران احمد پاشا الجزار کے دَور میں عکا کی شان وشہرت کو عروج ملا، جب یہاں ۱۲۱۴ھ/ ۱۷۹۹ء میں نپولین بونا پارٹ کے لشکر کا راستہ روک کر اسے پسپا ہونے پر مجبور کیا گیا۔ یہ شہر ساحل، پہاڑ اور ہموار علاقوں پر محیط ہے۔ حیفا سے ۲۵ کلومیٹر اور بیت المقدس سے ڈیڑھ سو کلومیٹر سے کچھ زائد فاصلے پر ہے۔ یہاں عظیم الشان مسجد احمد الجزار اور اس کے پہلو میں عکا کے ۲۹/سال حکمران رہنے والے احمد پاشا الجزار کی قبر تھی۔ نیز بہائی دین کے بانی ابو البھاء حسین علی نوری بن عباس (وفات ۱۳۰۹ھ/۱۸۹۲ء) کی قبر اور اس پر بہائیہ کا عالمی مرکز ہے۔ یہاں مشہور علمی شخصیات پیدا ہوئیں۔ ۱۹۴۵ء میں آبادی تقریباً تیرہ ہزار تھی اور ۱۹۴۸ء میں اسرائیل قابض ہوا تو مقامی آبادی ترکِ وطن پر مجبور ہوئی، چنانچہ ۱۹۷۳ء میں عرب باشندے محض تقریباً پانچ ہزار تھے۔

[معجم بلدان فلسطین، ص ۵۳۹ تا ۵۴۱]

OOOO

# کتابیات

حواشی لکھنے میں حسبِ ذیل کتب ورسائل، نیز الیکٹرونک انٹرنیٹ سے مدد لی گئی۔

## عربی کتب


۱...... الاعلام، خیرالدین بن محمود زرِکلی، سترہویں اشاعت ۱۴۲۸ھ/ ۲۰۰۷ء، دار العلم للملايين، بیروت

۲...... الصحافة العربية في فلسطين، یوسف قُوری، پہلی اشاعت ۱۳۹۶ھ/ ۱۹۷۶ء، مؤسّسة الدراسات الفلسطينية، بیروت

۳...... مدينة يافا في ذاكرة التاريخ، سید احمد زکی الدجانی، ۱۴۲۶ھ/ ۲۰۰۵ء

۴...... معجم بُلدان، شیخ محمد محمد شرب، پہلی اشاعت ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء، دار المامون للتراث، دمشق و بیروت


## اردو کتب


۵...... بیت المقدس، عبدالقدیر، اشاعت ۱۳۶۶ھ/ ۱۹۴۷ء، آگرہ اخبار برقی پریس آگرہ

۶...... حضرت حکیم الامت کے سفرنامے، مفتی احمد یار خان نعیمی، اشاعت ۱۴۲۷ھ/ ۲۰۰۶ء، نعیمی کتب خانہ اردو بازار، لاہور

۷...... سفرنامہ خواجہ حسن نظامی، بابت سیاحت مصر فلسطین شام وحجاز، اشاعت ۱۳۴۱ھ/ ۱۹۲۳ء، لالہ ٹھاکر داس اینڈ سنز پرنٹنگ ورکس، دہلی

۸...... راہِ عقیدت، مولانا محمد شفیع اوکاڑوی، اشاعت ۱۴۲۷ھ/ ۲۰۰۶ء، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور

۹...... ممالک عربیہ اور ایران کا سفرنامہ، مولانا شاہ محمد عبدالحامد قادری بدایونی، مرکزی انجمن تبلیغ الاسلام پیر کالونی، کراچی


## عربی اخبارات و رسائل


۱۰...... چھ ماہی "أُسطور" دوحہ، قطر

۱۱...... سہ روزہ "الجامعة العربية" بيت المقدس

۱۲...... "مجلة الدراسات الفلسطينية" بیروت


## اردو رسائل


۱۳...... ماہ نامہ "مرأۃ العارفین" لاہور

# نقشہ اوقاتِ نماز برائے بصیر پور شریف و مضافات---ماہ جون

| تاریخ | صبح صادق، ابتدائے فجر وختم سحری | طلوعِ آفتاب، انتہائے فجر | ضحوۂ کبریٰ | ابتداء وقتِ ظہر | اخیر مثلِ اوّل | اخیر مثل دوم آغاز وقتِ عصر | غروب آفتاب (افطار) وقتِ مغرب | ابتداء وقتِ عشاء |
|---|---|---|---|---|---|---|---|---|
| - | سیکنڈ منٹ گھنٹا | سیکنڈ منٹ گھنٹا | سیکنڈ منٹ گھنٹا | سیکنڈ منٹ گھنٹا | سیکنڈ منٹ گھنٹا | سیکنڈ منٹ گھنٹا | سیکنڈ منٹ گھنٹا | سیکنڈ منٹ گھنٹا |
| 1 | 3:26:36 | 5:00:55 | 11:14:40 | 12:02:36 | 3:40:42 | 4:56:43 | 7:05:29 | 8:38:31 |
| 2 | 3:26:11 | 5:00:42 | 11:14:44 | 12:02:46 | 3:40:50 | 4:57:02 | 7:06:01 | 8:39:13 |
| 3 | 3:25:49 | 5:00:30 | 11:14:48 | 12:02:56 | 3:40:57 | 4:57:20 | 7:06:32 | 8:39:55 |
| 4 | 3:25:28 | 5:00:20 | 11:14:52 | 12:03:06 | 3:41:05 | 4:57:38 | 7:07:02 | 8:40:35 |
| 5 | 3:25:09 | 5:00:12 | 11:14:58 | 12:03:17 | 3:41:14 | 4:57:55 | 7:07:31 | 8:41:14 |
| 6 | 3:24:53 | 5:00:04 | 11:15:04 | 12:03:28 | 3:41:23 | 4:58:13 | 7:08:00 | 8:41:51 |
| 7 | 3:24:38 | 4:59:58 | 11:15:10 | 12:03:39 | 3:41:32 | 4:58:30 | 7:08:27 | 8:42:27 |
| 8 | 3:24:24 | 4:59:54 | 11:15:17 | 12:03:51 | 3:41:41 | 4:58:48 | 7:09:54 | 8:43:02 |
| 9 | 3:24:13 | 4:59:51 | 11:15:24 | 12:04:02 | 3:41:51 | 4:59:05 | 7:09:19 | 8:43:35 |
| 10 | 3:24:04 | 4:59:49 | 11:15:32 | 12:04:14 | 3:42:01 | 4:59:21 | 7:09:44 | 8:44:07 |
| 11 | 3:23:57 | 4:59:48 | 11:15:40 | 12:04:26 | 3:42:12 | 4:59:38 | 7:10:08 | 8:44:37 |
| 12 | 3:23:52 | 4:59:48 | 11:15:49 | 12:04:39 | 3:42:23 | 4:59:54 | 7:10:31 | 8:45:05 |
| 13 | 3:23:48 | 4:59:50 | 11:15:58 | 12:04:51 | 3:42:34 | 5:00:10 | 7:11:53 | 8:45:32 |
| 14 | 3:23:47 | 4:59:53 | 11:16:08 | 12:05:04 | 3:42:45 | 5:00:26 | 7:11:13 | 8:45:57 |
| 15 | 3:23:47 | 4:59:57 | 11:16:17 | 12:05:17 | 3:42:57 | 5:00:41 | 7:11:33 | 8:46:20 |
| 16 | 3:23:49 | 5:00:03 | 11:16:28 | 12:05:30 | 3:43:09 | 5:00:56 | 7:12:52 | 8:46:41 |
| 17 | 3:23:52 | 5:00:09 | 11:16:38 | 12:05:43 | 3:43:22 | 5:01:11 | 7:12:09 | 8:47:01 |
| 18 | 3:23:57 | 5:00:17 | 11:16:49 | 12:05:56 | 3:43:34 | 5:01:25 | 7:12:25 | 8:47:19 |
| 19 | 3:24:04 | 5:00:26 | 11:17:00 | 12:06:09 | 3:43:47 | 5:01:39 | 7:12:40 | 8:47:35 |
| 20 | 3:24:13 | 5:00:37 | 11:17:11 | 12:06:22 | 3:44:00 | 5:01:52 | 7:13:54 | 8:47:49 |
| 21 | 3:24:23 | 5:00:48 | 11:17:23 | 12:06:35 | 3:44:13 | 5:02:05 | 7:13:07 | 8:48:01 |
| 22 | 3:24:36 | 5:01:01 | 11:17:35 | 12:06:48 | 3:44:26 | 5:02:18 | 7:13:18 | 8:48:12 |
| 23 | 3:24:50 | 5:01:15 | 11:17:47 | 12:07:01 | 3:44:40 | 5:02:30 | 7:13:28 | 8:48:20 |
| 24 | 3:25:07 | 5:01:30 | 11:17:59 | 12:07:14 | 3:44:53 | 5:02:41 | 7:13:37 | 8:48:27 |
| 25 | 3:25:25 | 5:01:46 | 11:18:12 | 12:07:27 | 3:45:07 | 5:02:52 | 7:14:45 | 8:48:31 |
| 26 | 3:25:45 | 5:02:04 | 11:18:25 | 12:07:40 | 3:45:21 | 5:03:02 | 7:14:51 | 8:48:33 |
| 27 | 3:26:06 | 5:02:22 | 11:18:38 | 12:07:52 | 3:45:34 | 5:03:12 | 7:14:55 | 8:48:34 |
| 28 | 3:26:30 | 5:02:42 | 11:18:52 | 12:08:05 | 3:45:48 | 5:03:21 | 7:14:59 | 8:48:33 |
| 29 | 3:26:55 | 5:03:03 | 11:19:05 | 12:08:17 | 3:46:01 | 5:03:29 | 7:14:01 | 8:48:31 |
| 30 | 3:27:21 | 5:03:24 | 11:19:19 | 12:08:28 | 3:46:14 | 5:03:37 | 7:14:01 | 8:48:27 |

● ...... **گھڑیاں درست رکھیں**

Book No. 36 Serial No. 6
Jun-2024
Monthly "NOOR-UL-HABIB" Basirpur
Regd No. PS / CPL - 25
ISSN 1993-4238

